کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت اور مُروّجہ اسلامی بینکاری میں کرنسی سلم: ایک فقہی تجزیہ

محمد ابو بکر صدیق٭
محمد اصغر شہزادہ٭٭

تعارف

سلم ایسی بیع ہے جس میں پیشگی طور پر چیز کی مکمل قیمت ادا کر دی جاتی ہے۔ جب کہ چیز کی حوالگی طے شدہ مدت کے بعد قرار پاتی ہے۔ عقد کرتے وقت چیز کی خصوصیات، اوصاف اور مقدار بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس عقد کو سَلف بھی کہا جاتا ہے۔ اس عقد میں چیز کو پیشگی فروخت کیا جاتا ہے جب کہ ابھی وہ تیار بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے جدید مالیاتی اصطلاح میں اسے فارورڈ سیل (Forward Sale) کہتے ہیں۔[۱] اگرچہ شریعت مطہرہ کا بنیادی اصول یہی ہے کہ جو چیز فروخت کی جارہی ہو، وہ موجود بھی ہو، فروخت کرنے والا اُس کا مالک بھی ہو اور وہ چیز اُس کے قبضے میں بھی ہو۔ یہ تینوں شرائط بنیادی طور پر اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ فروخت کی جانے والی چیز کے بارے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات باقی نہ رہیں اور فریقین میں کسی قسم کے جھگڑے کا کوئی امکان بھی نہ رہے، اگرچہ پیشگی فروخت میں یہ شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں جیسے پیداواری عناصر کے پاس ہر وقت اتنی رقم موجود نہیں ہوتی کہ وہ اشیا کی پیداوار کے عمل میں اپنی مختلف ضروریات کو پورا کر سکیں، مثلاً بیج، کھاد، آلات، خام مال کی خریداری اور مزدوری وغیرہ۔ جدید معاشی ومالیاتی نظام میں اُن کی ضروریات صرف سودی قرض

٭ لیکچرار وانچارج شعبہ فاصلاتی تعلیم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد (muhammad.abubakar@iiu.edu.pk)

٭٭ لیکچرار شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد(asghar.shahzad@iiu.edu.pk)

۱۔ بیع سلم سے متعلق مزید تفصیل کے لیے یہ کتب بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ محمد بن احمد السرخسی، المبسوط (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۳)، ۱۲: ۱۳۰، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغني (قاہرہ: مکتبة القاهرة،۱۹۶۸)، ۴: ۲۲۷؛ محمد بن احمد الدسوقی، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، (بیروت: دار الفكر)، ۳: ۱۹۷

کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں جو کہ احکام شریعت میں حرام ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے ایسے افراد کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے سودی نظام کا متبادل نظام تجویز کیا ہے۔ اس ضمن میں فقہ اسلامی چند شرائط کے ساتھ اِس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی چیز کو پیشگی فروخت (Forward Sale) کر کے رقم حاصل کریں اور اپنی ضروریات سودی قرض کی بجائے اِس متبادل طریقے سے پوری کریں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں کاروباری حاجات کو بہت اہمیت دی گئی اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر ان حاجات کو مقاصدِ شریعت کی روشنی میں جانچا گیا اور پھر یہ رخصت دی گئی کہ بیع کی مذکورہ تین بنیادی شرائط سے سلم اور استصناع[۲] کے عقود مستثنیٰ ہوں گے، کیوں کہ اقتصادی امور میں یہ حاجات عمومی طور پر بہت اہم ہوتی ہیں کہ اگر ان کا خیال نہ کیا جاتا تو انسان کو بہت سارے پیداواری امور میں حرج اور مشقت ہوتی اور پیداوری عمل کا نظام تہہ وبالا ہو کر رہ جاتا۔

فقہا کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اجناس، مثلی اشیا اور جو چیز بھی آج قیمتی ہونے کے باوجود مثلی بن چکی ہیں، اُن میں حاجت کی بنیاد پر سلم کی اجازت ہے؛ لیکن کرنسی سلم کے معاملے پر فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا کرنسی کو بھی مسلم فیہ[۳] بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ماضی میں کرنسی سلم کے موضوع پر زیادہ بحث نہیں ہوئی۔ موجودہ زمانے میں چوں کہ مالی معاملات شہروں سے نکل کر بین الاقوامی سطح پر طے پا رہے ہیں، بین الاقوامی تجارت میں افراد اور ادارے بھی اب براہ راست ایک دوسرے سے معاملات کرنے کے بجائے بینکوں کی مدد سے اپنے لین دین اور ادائی کے معاملات طے کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ معاملات میں پیچیدگیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ معاملات کی یہ پیچیدگیاں حل طلب ہوتی ہیں۔ مختلف فقہا اپنی اپنی فقہی بصیرت کے مطابق وقتاً فوقتاً ان پیچیدگیوں کے شرعی حل پیش کرتے رہتے ہیں۔ کرنسی سلم کو بھی ایسی ہی معاملاتی پیچیدگیوں کے شرعی حل کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ کرنسی سلم کی مشروعیت کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت پر مبنی ہے، اس لیے کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت کا تعین کیے بغیر بیع سلم کی شرعی و قانونی حیثیت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ کرنسی نوٹ کی ترویج سے متعلق مختصر تاریخی جائزہ لیتے ہوئے مختلف ادوار کے فقہا کی آرا اور دلائل کا تجزیاتی مطالعہ

۲۔ استصناع، موجودہ عرف میں آرڈر پر چیز بنوانے کو کہتے ہیں۔ (دیکھیے: **الموسوعة الفقهية الكويتية** (الكويت: وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامية، ۱۴۰۴ھ – ۱۴۲۷ھ)، ۳: ۳۲۵۔

۳۔ جو چیز عقد سلم کے ذریعے فروخت کی جائے مسلم فیہ کہلاتی ہے۔

کیا جائے اور پھر جدید اقتصادی و مالیاتی تناظر میں کرنسی کی حیثیت کا تعین کر کے اسلامی بینکاری میں مروجہ کرنسی سلم کی عملی صورت کا فقہی جائزہ لیا جائے۔

کرنسی نوٹ کا تعارف اور تاریخی جائزہ

زر (کرنسی) کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جیسے دھاتی سکے، کرنسی نوٹ وغیرہ۔[۴] عصر حاضر کے ماہرین معاشیات کرنسی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ کرنسی (زر) کی تین خصوصیات ہیں کہ یہ ذریعۂ مبادلہ ہوتی ہے، قیمتوں کا پیمانہ ہوتی ہے، اور دولت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ جس چیز میں یہ تینوں خصوصیات ہوں وہ زر (کرنسی) کہلاتی ہے۔[۵] کرنسی نوٹ (Currency Note) زر کی ہی ایک شکل ہے جسے اردو زبان میں "کاغذی زر" اور عربی زبان میں "والعملة" کہا جاتا ہے، تاہم دھاتی زر کی بہ نسبت کاغذی زر کی اپنی کوئی ذاتی افادیت(Intrinsic Value) نہیں ہوتی۔

محققین نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ چینی باشندے کرنسی نوٹ کے بنیادی موجد ہیں۔ ۶۵۰ء سے ۸۰۰ء کے درمیان چینی باشندوں نے اپنے لین دین میں کاغذ کے ڈرافٹ بنانے شروع کیے تھے جو بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کرنسی نوٹ کی بنیاد بنے، چناں چہ ۹۱۰ء میں پہلا کرنسی نوٹ چین میں ایجاد ہوا۔[۶] مشہور مورخ ابن مقریزی[۷] نے بھی بغداد میں چینی نوٹوں کا مشاہدہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔[۸] ایک اور مشہور مورخ ابن

۴۔ کرنسی سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: **مجلة البحوث الإسلامية** (ریاض، ۱۳۹۵ھ)، ۲۰۰:۱۔

5– Andrew B. Abel, Ben S. *Bernanke, and Dean Croushore, Macroeconomics* (USA: PEARSON, 2014), 244.

۶ – احمد حسن، **الأوراق النقدية في الاقتصاد الأسلامي قيمتها و أحكامها** (بیروت: دار الفکر، ۲۰۰۲ء)، ۱۱۵۔

۷– احمد بن علی بن عبد القادر المقریزی ۱۳۶۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ حنفی المسلک تھے۔ اپنے دور کے علوم کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۴۰۶ء کو دمشق گئے جہاں آپ کو منصب قضا کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا اور واپس مصر چلے آئے۔ بقیہ زندگی تصنیف و تالیف ہی میں بسر کی۔ ایک اندازے کے مطابق تصانیف و تالیفات کی تعداد ہزار سے متجاوز ہے۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف یہ ہیں: **السلوك في معرفة دول الملوك، تاريخ الأقباط، البيان والإعراب عما في أرض مصر من الأعراب، التنازع والتخاصم في ما بين بني أمية وبني هاشم، تاريخ الحبش، شذور العقود في ذكر النقود، تاريخ بناء الكعبة** (خیر الدین بن محمود الزرکلی ، **الأعلام** (بیروت: دار العلم للملايين، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۱۷۸۔)

۸– **الموسوعة الفقهية الكويتية**، ۴۱ : ۱۷۷۔

بطوطہ[٩] جو ١٣٢۴ءسے ١٣۵۵ءکے درمیان چین کی سیاحت پر گیا تھا، اور پھر اپنے سفر پر **رحلة ابن بطوطه** کے نام سے کتاب لکھی، جس میں چینی نوٹوں سے متعلق درج ذیل الفاظ میں تذکرہ کیا:

وأهل الصين لا يتبايعون بدينار ولا درهم، وجميع ما يتحصل ببلادهم من ذلك يسبكونه قطعا كما ذكرناه وإنما بيعهم وشراءهم بقطع كاغد، كل قطعة منها قدر الكف مطبوعة بطابع السلطان وتسمى الخمس والعشرون قطعة منها بالشت ، بباء موحدة وألف ولام مكسور وشين معجم مسكن وتاء معلوة، وهو بمعنى الدينار عندنا وإذا تمزقت تلك الكواغد في يد إنسان حملها إلى دار كدار السكّة عندنا فأخذ عوضها جددا ودفع تلك، ولا يعطي على ذلك أجرة ولا سواها.[١٠]

اہل چین درہم یا دینار کے ذریعے سے خرید وفروخت نہیں کرتے، بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کے ڈلے بنا کر رکھ دیتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے خرید وفروخت کرتے ہیں۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا کف دست (ایک بالشت) کے برابر ہوتا ہے اور بادشاہ کے مطبع میں اس پر مہر لگاتے ہیں۔ ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جب یہ کاغذ کثرت استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتا ہے تو وہ دارالسکہ میں لے جاتے ہیں اور اس کے عوض نیا لے آتے ہیں۔ اور اس پر نہ تو وہ کوئی اجرت ادا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کچھ اور۔

جاپان میں کرنسی نوٹ کی ترویج تقریباً چودھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ یورپ میں سترھویں صدی عیسوی میں تقریباً ١٦٦١ء کو 'سٹاک ہام بینک' آف سویڈن نے پہلا باقاعدہ کرنسی نوٹ جاری کیا۔ انگلینڈ میں ١٦٩۵ء میں جب کہ متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے زمانے میں جنوری ١٨٢۵ء کو 'بنک آف کلکتہ' نے دس روپے مالیت کا پہلا نوٹ جاری کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کرنسی نوٹ کے پیچھے سونا رکھا ہوتا تھا۔[١١]

---

٩ — محمد بن احمد المعروف ابن بطوطہ مراکش کے شہر طنجہ میں ١٣٠۴ء میں پیدا ہوئے۔ اِن کی وجہ شہرت سیاحت ہے۔ انھوں نے افریقہ، روس، ترکی جزائر شرق الہند، چین، عرب، ایران، شام، فلسطین، افغانستان اور ہندوستان کی سیر کی اور سفر نامے تحریر کیے۔ اٹھائیس سال کی مدت میں ٧۵ ہزار میل کا سفر کیا۔ آخر میں فارس کے بادشاہ ابوحنان کے حکم پر ایک سفر نامہ تحریر کیا جسے **عجائب الأسفار في غرائب الديار** کا نام دیا۔ یہ کتاب مختلف ممالک کے تاریخی وجغرافیائی حالات کی عکاسی کرتی ہے۔ ١٣٧٨ء کو ان کی زندگی کے سفر مراکش میں ہی مکمل ہوا اور یوں وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (الزرکلی، **الأعلام**، ٦: ٢٣۵۔)

١٠— محمد بن عبد اللہ ابن بطوطہ، **رحلة ابن بطوطة** (رباط :إكاديمية المملكة المغربية، ١٩٩۴)، ۴ : ١٢٩۔

11- Thomas Bishop, *Money, Banking and Monetary Policy*, (North Carolina: Lulu.com, USA, 2012), 24.

۱۹۰۰ء تک برصغیر کے اسلامی تعلیمی اداروں [۱۲] نے بڑے بڑے فقیہ پیدا کر دیے تھے کہ جنھوں نے اپنے زمانے کے جدید مسائل کی طرف توجہ دی اور یہی وہ زمانہ تھا کہ جب کرنسی نوٹ کے لین دین، قرض کی ادائی، کرنسی سلم اور زکاۃ سے متعلق مسائل پر بحث شروع ہوئی۔ اس ضمن میں مسلم فقہانے کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت کا جائزہ لینا شروع کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت پر ہونے والی تحقیق

عرب وعجم میں کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت کے تعین کے حوالے سے ۱۹۰۵ء تک کوئی تحقیق نہیں ہوئی تھی۔ تاہم ۱۹۰۵ء میں جب مفتی احناف مکہ مکرمہ جمال بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ [۱۳] سے نوٹ کی شرعی حیثیت کا سوال کیا گیا تو انھوں نے یہ فرما کر معذرت کرلی کہ "(یہ) علم علما کی گردنوں پر امانت ہے"۔ کچھ عرصے بعد ہی برصغیر سے

۱۲۔ تاریخی اعتبار سے ۱۸۲۵ء تا ۱۸۷۰ء انگلینڈ کے تسلط کا زمانہ تھا جس میں ہندوستان کے مسلمان مختلف محاذوں پر اپنی آزادی اور بقا کی جنگیں لڑ رہے تھے۔ چناں چہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلم علما بہت بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ اس عرصے میں جو علمی تحریکیں کسی بھی سطح پر چل رہی تھیں تو وہ انگریز کے غیظ وغضب کا نشانہ بنیں، لیکن کچھ ہی عرصے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے مولانا عبد العلی خان رام پوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حکیم سید عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سہارن پوری، حکیم سید برکات احمد ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ اعظم حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الغنی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے علمی ترویج کا کام شروع کر دیا تھا، اسی طرح بریلی میں مولانا محمد نقی علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ خدمت دین مصروف عمل تھا۔ (یٰسین اختر مصباحی، **علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، مبارک پور** (۲۰۱۲ء)، ا۔) یو۔پی کے ضلع سہارن پور کے ایک قصبے نانوتہ کے مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۶۶ء کو دیوبند میں مدرسۂ دیوبند کی بنیاد رکھی (**فتاویٰ دار العلوم دیوبند** (کراچی: دار الاشاعت)، ۱: ۹۵۔) برصغیر کی سرزمین پر یہ وہ ادارے تھے جن سے ایسے افراد نکلے کہ تاریخ میں جن کے نام سنہری حروف میں لکھے گئے۔ انھی افراد کی بدولت ہندوستان میں علمی تحریک دوبارہ اُٹھی جس کے ثمرات کسی اہل علم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔

۱۳۔ مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ تیرھویں صدی ہجری میں مکہ مکرمہ میں مفتی احناف کے منصب پر فائز تھے۔ اُن کے بعد ایک متبحر عالم عبد اللہ بن صدیق مفتی احناف مکہ بنے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب کرنسی نوٹوں سے متعلقہ سوالات پر اپنا رسالہ تحریر کیا تو اُسے کتابت کے لیے حرم کی لائبریری بھجوا دیا جہاں پر مفتی مکہ نے اُسے رسالے کو پڑھا اور حیرت سے بول اُٹھے کہ یہ دلائل جمال بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کیسے مخفی رہ گئے۔ (بدر الدین احمد رضوی، **سوانح امام احمد رضا** (سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۸۷ء)، ۳۱۴۔)

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ[١٤] حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے، چناں چہ مکہ کے فقہانے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل سوال نامہ آپ کے سامنے پیش کیا، جس پر آپ نے علالت کے باوجود دو دن میں ایک مدلل جواب تحریر کیا جس کا نام **كفل الفقيه للفاهم في أحكام قرطاس الدراهم**[١٥] رکھا، اور تاریخ میں پہلی مرتبہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت پر ایک مدلل رسالہ شائع ہوا، تاہم اس سے قبل ایک متبحر عالم مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کرنسی نوٹ سے متعلق ایک طویل فتویٰ ضرور دے چکے تھے، جس میں انھوں نے کرنسی نوٹ کے ثمن عرفی ہونے پر دلائل دیے تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ لکھتے وقت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ[١٦] کے موقف پر ١٢٠ فقہی اعتراضات وارد کیے اور اپنا موقف ثابت کیا۔[١٧] اس رسالے میں کرنسی نوٹ سے متعلقہ سلم، دین اور زکاۃ کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی۔ اسی دوران مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ[١٨] نے نوٹ سے متعلق فتویٰ دیا جس میں ایک تیسرا موقف پیش کیا جس کے تحت کرنسی نوٹ دَین

١٤۔ مولانا احمد رضا خان بھارت کے شہر بریلی میں ١٨٥٦ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو بریلوی کہا جاتا ہے۔ آپ کو تقریباً پچپن علوم پر دسترس حاصل تھی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون پر بہت سی کتب اور رسائل تحریر کیے۔ آپ کے فتاویٰ جات کو عصر حاضر میں مرتب کیا گیا جو کہ تیس جلدوں پر محیط ایک فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ آپ کی وجہ شہرت میں اہم آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت ہے۔ آپ کی کتب کی تعداد چودہ سو تک بیان کی گئی ہے جن میں سے بہت سا ذخیرہ ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ ١٩٢١ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ (دیکھیے: بدر الدین، **سوانح امام احمد رضا** (قادری مشین بریلی شریف)، ٣١٤۔)

١٥۔ اس رسالے کا اردو ترجمہ **کرنسی نوٹ کے مسائل** (کراچی: مکتبہ المدینہ باب المدینہ، ٢٠٠٧ء) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

١٦۔ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ١٢٦٤ھ کو باندہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے قرآن مجید حفظ کیا اور معقول و منقول کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔ حیدر آباد میں تدریس کی۔ دوبار حج کی سعادت حاصل کی۔ پھر ایک مدت بعد اپنے شہر لکھنو واپس آ گئے جہاں پر درس و تدریس اور تصنیف میں مشغول ہوئے۔ فقہ، اصول فقہ اور دیگر علوم میں ایک متبحر اور معتدل مزاج حنفی عالم تھے۔ (عبد الحی بن فخر الدین، **نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر** (بیروت: دار ابن حزم، ١٩٩٩ء)، ٨: ١٢٦٩۔)

١٧۔ غلام رسول سعیدی، **مقالات سعیدی** (لاہور: فرید بک سٹال، ٢٠٠٥ء)، ٥٦٤۔

١٨۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھارت کے شہر گنگوہ میں ١٨٦٩ء کو پیدا ہوئے۔ آپ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مکتب بھی رہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ تدریس کے شعبہ سے بھی وابستہ رہے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو

کی سند یا وثیقہ قرار پایا۔[۱۹] پھر مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۱ء میں **الذیل المنوط لرسالة النوط** کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریری کیا جو کہ **کفل الفقیه للفاهم في أحکام قرطاس الدراهم** کا تتمہ تھا۔ اس میں انھوں نے کرنسی نوٹ کے دَین کی سند یا وثیقہ ہونے پر یا ثمن عرفی ہونے کی بنا پر ثمن خلقی کا بدل قرار دیے جانے کے موقف کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا۔[۲۰] برصغیر کے فقہا کا یہ وہ بنیادی تحقیقی کام تھا جو بعد کے علما عرب و عجم کے لیے مزید تحقیق کا سنگ میل ثابت ہوا۔

اس موضوع پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ [۲۱] کے فتاویٰ جات **امداد الفتاویٰ** میں موجود ہیں، مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں **امداد الفتاویٰ** کی ترتیب جدید میں اہم کردار ادا کیا۔ عصر حاضر میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی اس موضوع پر **بحوث في قضایا فقهية معاصرة** میں **أحکام الأوراق النقدية** کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔[۲۲] اسی طرح مولانا مفتی غلام رسول سعیدی نے بھی اپنی **شرح صحیح مسلم** کی چوتھی جلد میں کرنسی نوٹ سے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ جسٹس خلیل الرحمٰن اور مولانا گوہر رحمن نے

تصنیف و تالیف سے کچھ زیادہ شغف نہ تھا، البتہ مسائل شرعیہ اور خالصتاً مختلف فیہ مسائل میں رفع تضاد کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ دیتے تھے۔ آپ کے فتاوی جات کو **فتاوی رشیدیہ** کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ ۱۹۰۴ء میں آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ (قاری فیوض الرحمن، **مشاہیر علماء دیوبند** (لاہور: المکتبة العربیة، ۱۹۷۶ء)، ۱: ۱۸۶۔)

۱۹۔ رشید احمد گنگوہی، **فتاویٰ رشیدیہ**، ۴۷۶- ۴۸۹، بحوالہ **مقالات سعیدی**، ۵۶۴۔

۲۰- دیکھیے: امام احمد رضا خان بریلوی، **کفل الفقیه للفاهم في أحکام قرطاس الدراهم** (کراچی: مکتبہ المدینہ باب المدینہ، ۲۰۰۷ء)، ۳۶-۳۸۔

۲۱- اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۶۳ء میں ضلع مظفر نگر ہندوستان کے قصبے تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے آپ کو تھانوی کہا جاتا ہے۔ دہلی میں قران مجید حفظ کیا۔ ۲۰ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد چودہ سال تک کان پور میں مدرسہ فیض عام میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور اپنے مواعظ حسنہ اور تصانیف مفیدہ سے وہاں کے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ افتا کا کام بھی اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ چودہ سال کے بعد اپنے پیرومرشد کے حکم سے دوبارہ اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ رحلت فرما گئے۔ (قاری فیوض الرحمن، **مشاہیر علماء دیوبند** (لاہور: المکتبة العربیة، ۱۹۷۶ء)، ۱: ۶۶۔)

۲۲- محمد تقی عثمانی، **فقہی مقالات** (کراچی: میمن اسلامک پبلیشرز)، ۱: ۱۲۔

بھی اس بارے میں اپنی آرا اور دلائل پیش کیے ہیں۔ مجمع الفقه الإسلامي جده،[۲۳] اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا اور مجلس شرعی مبارک پور[۲۴] نے بھی اس موضوع پر نہایت اہم تحقیقی کام کیا اور کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت اور اس سے متعلقہ احکام پر کچھ فیصلے بھی دیے۔ ان کے علاوہ دیگر محققین نے بھی تحقیقی مقالہ جات لکھے ہیں۔

علامہ عبدالرحمن الجزیری رحمۃ اللہ علیہ،[۲۵] علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ،[۲۶] شیخ الازہر محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ، اور شیخ احمد عبدالرحمن البنا الساعاتی رحمۃ اللہ علیہ[۲۷] اور ان کے علاوہ دیگر علما عرب نے اس بارے جو کام کیا وہ ایک اہم کاوش ہے، لیکن اُن کی تحریروں میں ہندوستانی فقہا کی کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے متعلق خدمات کا تذکرہ نہیں ملتا، جس کی بنیادی وجہ عربی مصنفین کی اردو زبان سے عدم واقفیت تھی۔ اُن کی نظر سے اس موضوع پر پہلے عربی رسالے **كفل الفقيه للفاهم في أحكام قرطاس الدراهم** کے نہ گزرنے کی بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ یہ رسالہ عالمی سطح پر وسیع پیمانے پر شائع نہیں کیا جاسکا تھا، اگرچہ اس کی ابتدائی اشاعت عرب ہی میں ہوئی تھی۔

۲۳- اس ادارے کی ویب سائٹ پر قرارداد اور مقالات دیکھے جاسکتے ہیں۔ نیز اردو میں یہ کتاب بھی مفید ہے: **انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے** (نئی دہلی: ایفاء پبلیکیشنز)۔

۲۴- **صحیفہ مجلس شرعی** کے نام سے یہ ادارہ اپنی قراردادوں کی اشاعت کرتا ہے۔

۲۵- الجزیری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۲ء میں مصر کے ایک جزیرے شندویل میں پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر میں تیرہ سال تک تعلیم حاصل کی پھر اُسی جامعہ میں کلیہ اصول الدین میں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ آپ کی مشہور کتب میں چار جلدوں پر مشتمل کتاب **الفقه على المذاهب الأربعة** ہے۔ ۱۹۴۱ء میں حلوان کے مقام پر وفات پائی۔ (الزرکلی، **الأعلام**، ۳: ۳۳۴)

۲۶- علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ ۱۷/ فروری ۱۹۰۵ء کو موریطانیہ میں یتیم پیدا ہوئے۔ آپ نے دینی علوم اپنے گھر میں ہی حاصل کی اور پھر اپنے شہر کے دیگر علما سے بھی استفادہ کیا۔ آپ موریطانیہ میں منصب قضا پر بھی فائز رہے۔ آپ نے قران وحدیث پر اہم کام کیا ہے۔ آپ کی وجہ شہرت قران مجید کی تفسیر **أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن** ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر موضوعات پر بھی کتب موجود ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں فریضہ حج کی ادائی کے بعد وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ مسجد حرام ہی میں ادا کی گئی۔

(محمد الأمين الشنقيطي / https://ar.wikipedia.org/wiki)

۲۷- علامہ ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء تک تحصیل علم سے فارغ ہو چکے تھے۔ مغربی فکر کے سخت مخالف تھے۔ چناں چہ ۱۹۲۸ میں حرکۃ الاخوان المسلمین کی بنیاد رکھی اور یہی آپ کی وجہ شہرت بنی۔ (عمر بن رضا، **معجم المؤلفين** (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، ۳: ۲۰۰)

فلوس سے متعلق فقہا میں اختلاف

فلوس "فلس" کی جمع ہے۔ فلس پیسے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے "إفلاس اور تفلیس مشتق ہیں،[۲۸] کیوں کہ جو شخص صرف پیسوں کا مالک ہو اور روپے نہ رکھتا ہو وہ غریب ہی کہلاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے غریب کو مفلس اور غربت کو افلاس کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کی اصل کے بارے میں مختلف آرا ہیں۔ کچھ محققین کی رائے میں یہ یونانی لفظ ہے، جسے اہل عرب نے معرب بنالیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور اصل ہو۔[۲۹] فلوس کی ترویج کے بارے میں **الموسوعة العربية الميسرة** میں ہے کہ عربوں نے اسے بازنطینیوں سے مستعار لیا ہے۔ بازنطینیوں کے ہاں فلس کے لیے کوئی خاص وزن مقرر نہیں تھا، لیکن عربوں نے اس کا وزن کانچ کے ایسے باٹوں "الصنج" کے ساتھ متعین کر دیا، جنھیں خاص پیمانوں کے تحت مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فلس ایک درہم کے اڑتالیسویں حصے کے برابر ہوتا تھا۔[۳۰]

فلوس در حقیقت پیتل یا تانبے کے ڈھالے ہوئے سکے ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اِن کا رواج پڑا،[۳۱] جس کے بعد ان سے متعلق شرعی سوالات بھی پیدا ہوئے جن کی طرف فقہا نے توجہ کی۔ ان سوالات کے جوابات میں فقہا کی آرا میں تنوع ہے۔ فقہا نے اس ضمن میں جن سوالات کا تجزیہ کیا اُن میں سے کچھ یہ ہیں: فلوس میں زکاۃ کے احکام کیا ہوں گے؟ کیا ان پر ربا کے احکام بھی لاگو ہوں گے یا نہیں؟ کیا ان پر سلم کی جا سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ کچھ فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ فلوس سونے چاندی کی طرح نقدیت نہیں رکھتے، اس لیے ان پر نہ تو زکاۃ واجب ہوگی اور نہ ربا ہی کے احکام لاگو ہوں گے، اس لیے ان پر سلم کی جا سکتی ہے، جب کہ کچھ فقہا کے نزدیک فلوس اپنے حقیقی معنوں میں نقدین (سونے چاندی) کی طرح ہیں، لہٰذا ان میں بھی ربا کے احکام

۲۸۔ ابن منظور، **لسان العرب**، (دار إحياء التراث العربي، ۱۴۰۸ھ)، ۱۰: ۳۱۸۔

۲۹۔ محمد توفیق رمضان البوطی، **البيوع الشائعة وأثر ضوابط المبيع على شرعيتها**، (بیروت: دارالفکر المعاصر، ۱۹۹۸ء)، ۳۲۰۔

۳۰۔ **الموسوعة العربية الميسرة**، ادارت، محمد شفیق غربال، ۲: ۱۳۰۹۔

۳۱۔ محمد بن احمد المالکی، **منح الجليل شرح مختصر خليل**، باب فی البيع، (بیروت: دارالفکر المعاصر، ۱۹۸۹ء)، ۴: ۴۸۱۔

لاگو ہوں گے، ان پر زکاۃ واجب ہوگی، اور اس طرح کے دیگر احکامات میں یہ سونے چاندی کی طرح تصور کیے جائیں گے۔ کرنسی نوٹوں کے متعلق یہی اختلاف فقہا میں آج بھی موجود ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

کرنسی نوٹ کی حیثیت سے متعلق مختلف نظریات

ا۔ پہلا نظریہ: کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ہیں

اس رائے کے حامل فقہا کے درمیان اس بات پر تو اتفاق ہے کہ کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں جزوی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اس نظریے کے حامل فقہا کی رائے چار طرح کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلی رائے: کرنسی نوٹوں کی ثمنیت عاقدین معطل کرسکتے ہیں

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کو متعین کیا۔ ثمن خلقی اور ثمن اصطلاحی کے ضمن میں فلوس (سکّوں) پر مفصل بحث کرنے کے بعد کرنسی نوٹ کو فلوس کی طرح ثمن اصطلاحی قرار دیا، نیز انھوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ کرنسی نوٹ بھی مال کی اُس قسم میں سے ہے جس کا شمار حقیقتاً عروض[۳۲] میں ہوتا ہے، لیکن بعد میں اُسے اصطلاحاً ثمن بنا دیا جاتا ہے، جیسے فلوس۔ انھوں نے ثمن اصطلاحی سے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے شیخینؒ کی رائے کو ترجیح دی کہ فلوس کی ثمنیت فریقین پر منحصر ہوتی ہے۔ وہ جب چاہیں اُسے ثمن قرار دیں اور جب چاہیں اُس میں ثمنیت ختم کردیں۔ اِسی رائے کو بنیاد بناتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ کرنسی نوٹ درحقیقت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، جس پر ایک قیمت لکھی ہوتی ہے اور وہی اُس نوٹ کی اصطلاحی ثمنیت ہوتی ہے جسے فریقین کے باطل قرار دینے کے بعد کرنسی نوٹ ایک سامان (کاغذ) کی حیثیت میں رہ جاتا ہے اور سامان کو جس قیمت پر چاہے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا کرنسی نوٹ کو اُس کی اصطلاحی قیمت سے زیادہ یا کم پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے شیخینؒ کے نزدیک ایک فلس (سکّہ) کی بیع دو فلوس سے جائز ہے۔ وہ اپنے اس موقف کی تائید میں امام ابن ہمامؒ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں: ”لو باع كاغذة بألف يجوز و لا يكره“[۳۳] (اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار روپے کے عوض فروخت کرے تو جائز ہے اور مکروہ بھی

۳۲۔ فقہ میں سامان کے لیے عروض کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسے سامان تجارت کو عروضِ تجارت کہا جاتا ہے۔

۳۳۔ کمال الدین محمد ابن الہمام، فتح القدیر (بیروت: دار الفکر)، ۷: ۲۱۲۔

نہیں)۔ اس لیے انھوں نے کرنسی نوٹ کو غیر ربوی مال قرار دیا اور اس لیے بھی کہ کرنسی نوٹ معدودات (گنی جانے والی اشیا) میں سے ہے، اور احناف کے نزدیک معدودات میں ربا نہیں ہے۔ اسی طرح کرنسی نوٹ کے بدلے سونا چاندی کی خرید و فروخت بیع صرف بھی نہیں ہے، لہٰذا اگر مجلس عقد میں کسی ایک عوض (کرنسی نوٹ یا سونا چاندی) پر قبضہ ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ کرنسی نوٹوں میں زکاۃ کے ایجاب اور ادائی سے متعلق سوال کے جواب میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب تک ثمن اصطلاحی رائج رہتا ہے، اُس پر نصاب اور سال گزرنے کی تکمیل کی شرائط کے ساتھ زکاۃ واجب ہوتی ہے، نیز کرنسی نوٹوں کے ادا کرنے سے زکاۃ فوراً ادا بھی ہو جاتی ہے۔ کرنسی نوٹ میں سلم سے متعلق سوال کے جواب میں ان کا موقف ہے کہ کرنسی نوٹ میں سلم ہو سکتا ہے، کیوں کہ جب فریقین ایک کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ بناتے ہیں، تو اُس کی ثمنیت کو باطل کر دیتے ہیں، لہٰذا جب اُس کی ثمنیت باطل ہو گئی تو وہ ایک سامان کی حیثیت میں رہ گیا، جسے مبیع بنانا اور ادھار کرنا جائز ہے، اس لیے کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ بنانا جائز ہے۔[۳۴] کرنسی نوٹ سے متعلق یہ وہ بنیادی تحقیق تھی، جو تاریخی اعتبار سے اس موضوع پر ہونے والی جملہ تحقیق کے لیے سنگ میل ثابت ہوئی، دیگر اکابر امت نے اس موضوع پر اُن سے اختلاف بھی کیا اور اتفاق بھی۔

اسی طرح شیخ حسن ایوب[۳۵] نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔ اپنے مقالے میں کرنسی نوٹ کے بارے میں لکھتے ہیں: کرنسی نوٹ تعامل میں بھی سونے چاندی کی طرح نہیں ہیں۔یعنی ان پر بیع صَرف[۳۶] کے احکام کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ ان پر مروجہ فلوس کا حکم لاگو ہوگا، اس لیے ایک کرنسی نوٹ کو دوسرے کرنسی نوٹ سے تبدیل کیا جاسکتا ہے، خواہ اُن کی مالیت ایک دوسرے سے زیادہ ہو یا کم،

۳۴۔ **كفل الفقيه للفاهم في أحكام قرطاس الدراهم** سے خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

۳۵۔ شیخ حسن ایوب ۱۹۲۸ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں جامعہ الازہر کے کلیہ اصول الدین سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد وزارت تعلیم و تربیت سے بطور مدرس وابستہ ہو گئے۔ پھر کچھ عرصے بعد کویت چلے گئے جہاں پر وعظ و نصیحت اور تالیف کے امور سر انجام دیے۔ بعد ازاں سعودی عرب منتقل ہوئے، جہاں جامعہ الملک عبدالعزیز میں اسلامی ثقافت کے استاد متعین ہوئے۔ آپ کی مشہور تالیفات میں **فقه المعاملات المالية في الإسلام، فقه الحج والعمرة** اور **فقه العبادات بأدلتها في الإسلام** قابل ذکر ہیں۔(https://ar.wikipedia.org/wiki/حسن_أيوب)

۳۶۔ بیع صرف سے مراد سونے کے بدلے سونے، چاندی کے بدلے سونے یا دونوں کی ایک دوسرے کے بدلے خرید و فروخت بیع صرف کہتے ہیں۔ اور اس میں مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ اُسی وقت ضروری ہے۔ کسی ایک عوض کو ادھار نہیں کیا جا سکتا۔ (ابو بکر بن علی، **الجوهرة النيرة** (المطبعة الخيرية، ۱۳۲۲ھ)، ۱: ۲۲۱۔)

خواہ معاملہ دست بدست ہو یا کسی ایک عوض کے ادھار پر ہو۔ نیز کرنسی نوٹ میں سامان کی طرح کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔(۳۷)

دوسری رائے: کرنسی نوٹوں کی ثمنیت کی معطلی ریاست کا کام ہے

دوسری رائے شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمۃ اللہ علیہ(۳۸) اور محمد بن صالح العثیمین(۳۹) کی ہے، جو کرنسی نوٹ کو فلوس کی طرح قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کرنسی نوٹ کی اصلی حیثیت عروض کی ہوتی ہے، جس پر معاشرے میں تعامل اور رواج کی بدولت اس میں ثمنیت غالب آجاتی ہے۔ چناں چہ شیخ عبدالرحمٰن السعدی لکھتے ہیں: "أن الأنواط ليست بنفسها ذهبا ولا فضة وأنه لا يمكن أن يتحقق فيها ما شرطه الشارع في الذهب والفضة من جهة الوزن تعين القول بأنها بمنزلة العروض وبمنزلة الفلوس المعدنية." (۴۰) (کرنسی نوٹ بذات خود سونا ہیں نہ چاندی، اس لیے ان میں وہ شرائط متحقق نہیں ہوتیں جو کہ شارع علیہ السلام نے وزن کے اعتبار سے سونے اور چاندی میں مقرر فرمائی ہیں، لہٰذا یہ بات تو متعین ہوگئی کہ یہ

۳۷۔ حسن محمد ایوب "العملات"، **مجلة الوعي الإسلامي**، الکویت: عدد ۱۹۶، (ربیع الثانی، ۱۴۰۱ھ)، ۸۰۔

۳۸۔ شیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدیؒ قصیم کے ایک قصبہ عنیزہ میں ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۲۳ سال کی عمر تک علوم دینیہ مکمل کیے اور عنیزہ میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے۔ وہیں وعظ، افتا اور تبلیغ دین کے امور سرانجام دیے۔ آپ کی وجہ شہرت شعبہ تفسیر میں مہارت تھی۔ آپ کی اہم کتب یہ ہیں **تيسير الكريم المنان في تفسير القرآن، تيسير اللطيف المنان في خلاصة مقاصد القرآن، القواعد الحسان في تفسير القرآن، الحق الواضح المبين في توحيد الأنبياء والمرسلين**۔ (کحالہ، **معجم المؤلفين**، ۱۳: ۳۹۶۔)

۳۹۔ شیخ محمد بن صالح ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے عثیمین کہلاتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالعزیز المطوع رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمن بن علی بن عودان رحمۃ اللہ علیہ سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ پھر سعودی عرب میں علامہ امین شنقیطی سے تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت سی کتب کے مصنف و مؤلف بھی تھے۔ ۱۹۹۴ء میں انہیں خدمتِ اسلام کے صلے میں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ۲۰۰۰ء میں سعودی عرب میں ہی رحلت فرمائی۔ (الموسوعة العالمية الإسلامية، / ابن-عثيمين/ http://islamspedia.com)

۴۰۔ عبدالرحمٰن السعدی، **فتاویٰ السعدية** (ریاض: ۱۹۸۴)، ۳۳۵۔

کرنسی نوٹ سامان اور معدنی فلوس کے قائم مقام ہیں۔) لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ کرنسی نوٹ کو مبیع بنانے سے اُس کی ثمنیت بھی معطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اُن کے نزدیک جب کرنسی نوٹوں کو ایک دوسرے کے بدلے خریدا اور بیچا جائے گا، تو ربا النسیئہ [۴۱] کے احکام کا اطلاق ہو گا، کیوں کہ نقدی چیزوں میں ربا کی اس قسم کی حرمت پر تو اجماعِ اُمت ہے، لیکن اسی معاملے میں ربا الفضل [۴۲] کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ کرنسی نوٹ میں ربا الفضل کی ایک بھی علت نہیں ہے۔ اس لیے عوضین میں مماثلت یا عدمِ مماثلت نقد و نقد کی شرط پر درست ہے۔ جیسا کہ علامہ السعدی اپنے **فتاویٰ سعدیہ** میں لکھتے ہیں کہ دس روپے کے نوٹ کو بارہ روپے کے بدلے نقد میں فروخت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ادھار پر فروخت نہیں کیا جا سکتا، [۴۳] اس لیے سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف

۴۱۔ ربا النسیئة کا مطلب ہے ایسا سود جو قرض پر وصول کیا جائے۔ اصطلاح میں "قرض کا ایسا معاملہ جس میں یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ مقروض ایک خاص مدت میں قرض کی ادائی کے ساتھ ساتھ ہی طے شدہ زیادہ مال بھی دے گا، ربا کہلاتا ہے" (احمد بن علی الجصاص، **احکام القرآن** (بیروت: دار الكتب العلمية)، ا: ۵۶۹۔) فقہا کے نزدیک صرف اسی اضافے کو سود کہا جائے گا کہ جو قرض دیتے وقت مشروط ہو۔ اگر کسی نے قرض دیتے وقت کسی قسم کے اضافے کی شرط نہیں لگائی اور مقروض ادائی کے وقت اپنی مرضی سے کوئی اضافی مال یا تحفہ دے دیتا ہے تو وہ سود شمار نہیں ہو گا۔

۴۲۔ ربا الفضل (اضافے کا سود) اسے ربا البيوع (بیع کا ربا) بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ صرف بیع کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اسے ربا الحدیث بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس کی ممانعت بہ ذریعہ حدیث آئی ہے۔ ربا الفضل کی اصطلاحی تعریف دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جسے حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے: سونے کی سونے کے ساتھ، چاندی کی چاندی کے ساتھ گندم کی گندم کے ساتھ جو کی جو کے ساتھ کھجور کی کھجور کے ساتھ اور نمک کی نمک کے ساتھ برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ فروخت کرو، اگر یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جیسے مرضی ہو بیچیں مگر معاملہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ (مسلم بن الحجاج، **صحيح مسلم**، كتاب البيوع، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، حدیث ۱۵۸۷) ربا الفضل کی حرمت میں "شے کے معیار" پر کوئی رعایت نہیں برتی گئی اگر ایسا کیا جاتا تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا کیوں کہ حیلے باز شیطان دولت دوگنی کرنے کا حرص دے کر کسی نہ کسی حیلے بہانے کے ذریعے انسان کو سود کی طرف لے جاتا۔ اس لیے ایک طرف اعلیٰ معیار کا سونا ہے اور دوسری طرف ادنی معیار کا تو دونوں کا باہم تبادلہ برابر اور نقد بنیادوں پر ہو گا۔

۴۳۔ السعدی، فتاوی، ۳۲۷۔

کو دیکھتے ہوئے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ جب کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ بنایا جائے گا، تو اس کے بدلے میں راس المال کے طور پر کچھ نقد بھی دیا جائے گا۔ اس طرح یہ معاملہ نقدی کے بدلے نقدی کی صورت اختیار کر جائے گا کہ جس میں ادھار نہیں کیا جاسکے گا، جب کہ سلم میں مسلم فیہ کو ادھار کیا جاتا ہے۔ شیخ محمد بن صالح بھی اسی موقف کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”فأرجح ما يكون عندي أنه يجري فيها ربا النسيئة دون ربا الفضل، فلا يجوز أن نتفرق إلا بالقبض.“[۴۴] (میرے نزدیک زیادہ راجح یہی ہے کہ کرنسی نوٹ کے لین دین میں ربا النسیئہ کا اجرا ہو لیکن ربا الفضل کا اجرا نہ ہو، اور یہ بھی جائز نہیں کہ کرنسی کے باہمی لین دین میں ہم لوگ مجلسِ عقد سے کسی بھی عوض پر قبضہ کیے بغیر الگ ہو جائیں۔) شیخ صالح مزید کہتے ہیں کہ کچھ علما کے نزدیک فلوس عروض ہیں۔ جن پر تجارت کی نیت کے علاوہ میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔ وہ اسی پر قروش[۴۵] کو بھی قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس لاکھوں قروش ہوں تو بھی ان پر زکاۃ واجب نہیں ہو گی۔ وہ قروش کے باہمی تبادلے میں تفاضل کے ساتھ کسی بھی ایک عوض کے مؤخر کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اگر فی زمانہ یہ موقف اختیار کیا جائے تو بہت سے تاجر ایسے ہیں جن کے پاس کروڑوں دراہم ہیں تو وہ ان کو کرنسی میں بدل لیں گے کہ جن پر زکاۃ بھی واجب نہیں گی اور تفاضل و تاخر کے ساتھ کرنسی کا لین دین بھی جائز ہو گا۔ اس طرح تو پھر کوئی بھی سودی بینک سودی ہی نہیں رہے گا۔ اس طرح سود کا نہ بند ہونے والا باب کُھل جائے گا، اس لیے یہ موقف درست نہیں ہے، لہٰذا ثمن مروجہ ہونے کی بنا پر کرنسی نوٹوں پر زکاۃ واجب ہو گی، اُن کا باہمی لین دین دست بدست ہو گا اور کسی ایک عوض کو بھی مؤخر کرنا جائز نہیں ہو گا، البتہ تفاضل جائز ہو گا۔[۴۶] شیخ صالح کے اس واضح موقف کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کرنسی نوٹ مسلم فیہ نہیں بن سکتا۔

---

۴۴ – محمد بن صالح العثیمین، **الشرح الممتع على زاد المستقنع**، كتاب البيع، باب الربا و الصرف، (قاہرہ: دار ابن الجوزي، ۲۰۰۷ء)، ۸: ۴۰۵۔

۴۵– قروش ایک قسم کے دھاتی سکے ہی ہوتے ہیں۔

۴۶– العثیمین، مرجعِ سابق، ۹۲ – ۹۶۔

تیسری رائے: کرنسی نوٹ قروش کی طرح ہیں جن کی ثمنیت ریاست پر منحصر ہوتی ہے

تیسری رائے فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن بسام[۴۷] کی ہے جو کہ بہت ہی تھوڑے اختلاف کے ساتھ شیخ السعدی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ صالح رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تقریباً تائید ہی بنتی ہے۔ یہ اختلاف بھی صرف اس بنا پر ہے کہ ابن بسام فلوس کے بجائے قروش کہتے ہیں۔ ابن بسام کے نزدیک کرنسی نوٹ دراصل قُروش (نِکل کے سِکوں) کی طرح ہیں، کیوں کہ یہ سونے چاندی کی طرح تو نہیں ہیں، لیکن عروض یا سند یا وثیقہ بھی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ثمن مروجہ ہیں، کیوں کہ حکومتی ضمانت اور رواج ہی کی بدولت یہ ثمن بنتے ہیں۔ ابن بسام قروش سے متعلق ربا کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو دلیل بناتے ہیں کہ قروش میں ربا النسیئۃ کا اطلاق تو ہو گا، لیکن ربا الفضل کا اطلاق نہیں ہو گا۔[۴۸] جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شیخ بسام کے نزدیک کرنسی نوٹوں کے تبادلے میں تفاضل تو جائز ہے، لیکن ادھار حرام ہے۔ اس لیے ابن بسام کے نزدیک بھی کرنسی نوٹ کا مسلم فیہ نہ بننا یقینی ہے۔

چوتھی رائے: کرنسی نوٹ قابل زکاۃ نہیں

چوتھی رائے شیخ احمد خطیب[۴۹] کی ہے، جنھوں نے اس موضوع پر **إقناع النفوس بإلحاق أوراق الانوات بعملة الفلوس** کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا، جس میں انھوں نے بھی تقریباً یہی موقف اختیار کیا کہ کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ہیں، اُن پر ثمنیت غالب ہے، اس لیے ان پر ربا اور سلم سے متعلق بالکل وہی احکام لاگو ہوں گے، جو فلوس پر لاگو ہوتے ہیں، تاہم ان کے نزدیک فلوس کے

۴۷۔ شیخ البسام ۱۳۴۶ھ کو قصیم کے قصبہ عنیزہ میں پیدا ہوئے۔ تحفیظ قرآن کے بعد دینی علوم کی طرف توجہ دی۔ آپ نے شیخ عبد الرحمن السعدی رحمۃ اللہ علیہ بہت استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں قاضی اور مسجد حرام میں مدرس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۴۲۳ھ کو مکہ مکرمہ جمعۃ المبارک کے دن وفات پائی اور مسجد حرام میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ (شیخ عبد اللہ البسام، **تیسیر العلام شرح عمدة الأحکام** (ریاض: دار المغنی، ۲۰۰۶ء)، ۷۔)

۴۸۔ عبد اللہ بن سلیمان المنیع، **الورق النقدي: حقیقته التاریخیة، قیمته و حکمه** (مطبع ندارد، ۱۹۸۴ء)، ۶۷۔

۴۹۔ شیخ احمد خطیب شافعی فقیہ ہیں۔ آپ کی مشہور تالیفات میں **صلح الجماعتین بجواز تعدد الجمعتین، إقناع النفوس إلحاق أوراق الأنوات بعُملة الفلوس** ہیں۔ آپ نے ۱۳۲۶ء کو مکہ مکرمہ وفات پائی۔ (سعد بن ناصر، "العلماء الذین لهم إسهام في علم الأصول"، http://www.alukah.net/sharia/0/22086/)

برخلاف کرنسی نوٹ کاغذ ہیں اور کاغذ سامان تو ہے لیکن قابل زکاۃ سامان نہیں ہے، اس لیے ان پر زکاۃ لازم نہیں آئے گی، لیکن اگر ان سے تجارت کرنا مقصود ہو تو پھر عروضِ تجارت کے قواعد کے تحت ان پر زکاۃ واجب ہوگی۔[۵۰]

۲- دوسرا نظریہ: کرنسی نوٹ دین کی سند یا وثیقہ ہیں

کرنسی نوٹ کے دین ہونے سے متعلق دو مختلف آراء ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے؛

پہلی رائے: کرنسی نوٹ مطلق دین کی سند یا وثیقہ ہیں

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ، بعض مشائخ الازہر اور علامہ سید احمد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ[۵۱] کی رائے یہ ہے کہ کرنسی نوٹ نہ تو سامان ہے اور نہ ہی مال، بلکہ یہ ایک سند اور وثیقے کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ نوٹ پر لکھا ہوتا ہے "حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔" یعنی ان فقہا کے نزدیک اس سند یا وثیقے کے پیچھے سونا یا چاندی موجود ہے۔ جیسا کہ علامہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ""لأن معنى تلك العبارة أن الناس يأخذونها بدل القيمة ولكن مع ملاحظة أن قيمتها و هذا صريح في أن تلك الأوراق هي سندات الديون." [۵۲] (کیوں کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ لوگ قیمت کے طور پر ان کرنسی نوٹوں کو قبول کر لیتے ہیں، لیکن اس خیال سے کہ مطالبے کے وقت کرنسی نوٹ کے حامل کو اُس کی قیمت وصول ہو جائے گی۔ (حکومت) اُس کی ادائی کی ضامن ہے، لہٰذا یہ تعریف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ نوٹ قرض کی اسناد اور دستاویز ہیں۔) اس لیے اگر کوئی شخص کسی دوسرے

۵۰- شیخ احمد خطیب، إقناع النفوس بألحاق أوراق الأنوات بعملة الفلوس (بیروت: المطبعة الأهلية)، ۴۸۔

۵۱- شیخ احمد ۱۸۵۴ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک قابل فقیہہ اور علم الاصول کے ماہر شافعی المسلک عالم تھے۔ آپ کی مشہور کتب میں إعلام الباحث بقبح أم الخبائث، القول الفصل في قيام الفرع مقام الأصل اور بهجة المشتاق في بيان حكم زكاة أموال الأوراق سر فہرست ہیں۔ آپ نے ۱۹۱۴ء کو قاہرہ میں انتقال کیا۔ (کحالہ، معجم المؤلفین، ۱: ۱۵۷۔)

۵۲- الشیخ سید احمد الحسینی، بهجة المشتاق في بيان حكم زكاة أموال الأوراق (مطبعة كردستان العلمية، ۱۳۲۹ھ)، ۶۸ –۷۱۔

آدمی کو نوٹ دے گا، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اُس نے مال نہیں دیا بلکہ مال کا حوالہ کیا ہے۔ جب نوٹ کا حامل بینک سے سونے یا چاندی کا مطالبہ کرے گا، تو بینک نوٹ کے بدلے سونا یا چاندی ادا کرے گا۔[۵۳] الغرض یہ کرنسی نوٹ فقہی اصطلاح میں "حوالہ" ہے۔ اس کا حامل "محتال"، نوٹ ادا کرنے والا "محیل" اور بینک "محتال علیہ" کہلاتا ہے۔[۵۴] اس نظریے کے حامل فقہا کے نزدیک کرنسی نوٹوں پر سال گزرنے کے باوجود زکاۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی شخص اپنی زکاۃ کی ادائی کرنسی نوٹوں سے کرنا چاہے، تو زکاۃ کی ادائی اُس وقت تک نہیں ہو گی جب تک کہ وہ فقیر اُس نوٹ کے بدلے بینک سے سونا یا چاندی نہ لے لے یا کچھ سامان نہ خرید لے، لیکن اگر یہ سب کرنے سے پہلے ہی اُس فقیر سے وہ نوٹ گم یا چوری ہو جاتے ہیں تو اُس مال دار کی زکاۃ ادا نہیں ہو گی۔[۵۵] اگر قابل نصاب کرنسی نوٹوں پر سال گزرے اور اُن کا پانچواں حصہ سونے یا چاندی کی صورت میں وصول ہو جائے تو پھر زکاۃ واجب ہو گی، کیوں کہ قرض اور دین کی صورت میں زکاۃ اُس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک کہ نصاب کا پانچواں حصہ قبضے میں نہ آجائے۔[۵۶] چوں کہ ان نوٹوں کی پُشت پر سونا یا چاندی ہوتا ہے، اس لیے اِن کے ذریعے سونا یا چاندی کی خرید و فروخت پر بیع صرف کے احکام لاگو ہوں گے، یعنی اگر ایک ہی مجلس میں خریدار سونے یا چاندی پر قبضہ کرے اور فروخت کنندہ نوٹوں پر قبضہ کرے، تو بھی یہ معاملہ ناجائز ہو گا، کیوں کہ نوٹ کی پشت پر جو سونا یا چاندی ہے وہ غیر موجود ہے، اس لیے فروخت کنندہ کی جانب سے سونے یا چاندی پر قبضہ نہیں پایا گیا، بلکہ اُس کی رسید پر قبضہ پایا گیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سونا یا چاندی ادھار کیا گیا ہے، اور مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ نہیں کیا گیا، چناں چہ مصنف علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "وأنها سند بفضة وأن المبيع الفضة التي هي سند بها ومن قرأ المكتوب عليها فَهِم صحة ذلك، وعليه فلا يجوز بيعها

۵۳۔ المنيع، الورق النقدي، ۴۹۔

۵۴۔ حوالہ سے مراد ایک آدمی (جس پر دین ہو) کا اپنا دین کسی دوسرے آدمی (جو دین ادا کرنے کا ذمہ لے) کے حوالے کرنا ہے۔ تاکہ دین کی ادائی ہو جائے۔ (عبد اللہ بن محمود، **الاختيار لتعليل المختار** (قاہرہ: مطبعة الحلبي، ۱۹۳۷ء)، ۳:۳)۔ پہلا آدمی محیل کہلاتا ہے اور دوسرا آدمی جس کی طرف دین منتقل ہوتا ہے محتال علیہ / محال علیہ کہلاتا ہے۔ جب کہ جس آدمی نے یہ دین وصول کرنا ہوتا ہے وہ محتال / محال لہ کہلاتا ہے۔

۵۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ، **امداد الفتاویٰ**، (کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۲۰۱۰ء) ۵۔

۵۶۔ مولانا احمد رضا، **كفل الفقيه**، ۶۷۔

بذهب ولا فضة ولو يدًا بيد لعدم المناجزة بسبب غيبة الفضة المدفوع سندها. "[۵۷] (یہ نوٹ چاندی کی رسید ہیں اور فروخت کی گئی چیز وہ چاندی ہے جس کی یہ رسید ہیں۔ جو ان پر لکھی عبارت پڑھے گا وہ اس رائے کا درست ہونا سمجھ جائے گا۔ اس رائے کے مطابق نوٹوں کی سونے چاندی کے بدلے بیع چاہے نقد ہو جائز نہیں، کیوں کہ جس چاندی کی رسید دی جاتی ہے وہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے موقع پر قبضے کی شرط نہیں پائی جاتی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نظریے کے تحت کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ بیع مؤجل میں مبیع دین ہوتی ہے، اور نوٹوں کے سندِ دین ہونے کی وجہ سے ثمن بھی دین بن جائے گا، جس سے بیع الکالی بالکالی[۵۸] لازم آئے گی، جس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔[۵۹]

دوسری رائے: کرنسی نوٹ خاص دین کی سند ہیں جو حاضر مال کی طرح ہیں

کرنسی نوٹ کے دین کی سند ہونے سے متعلق دوسری رائے شیخ محمد حسنین مخلوف[۶۰] کی ہے۔ اُن کے نزدیک کرنسی نوٹوں کو حقیقی دین کی سندات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ کرنسی نوٹ اُن سنداتِ دین سے مختلف ہیں کہ جن کے تحت مدین[۶۱] کے ذمے ایسا دین ہوتا ہے جو کبھی بھی نامی (بڑھنے والا) نہیں ہوتا اور نہ ہی اُس پر نفع کمایا جاسکتا ہے، جب کہ یہ کرنسی نوٹ نامی بھی ہیں اور نفع کمانے کا ذریعہ بھی ہیں، لہٰذا یہ ایک ایسے خاص دین کی سند ہیں جو نامی بھی ہوتا ہے اور نفع کمانے کا ذریعہ بھی۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ حق بات یہی ہے کہ یہ دَین کی ایک ایسی

۵۷۔ محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی، تفسير أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن، (بیروت: دار الفكر، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۱۸۲۔

۵۸۔ بیع الکالی بالکالی کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں، یہ ایسی بیع ہوتی ہے جس میں دونوں طرف ادھار ہو۔ (ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی، بدائع الصنائع، کتاب البیوع، شرائط الرکن (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۶۰ء)، ۵: ۲۰۲)

۵۹۔ المنیع، مرجع سابق، ۴۹۔

۶۰۔ شیخ محمد حسنین مخلوف ۱۸۶۱ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر سے ۱۸۸۷ء تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں تدریسی فرائض بھی سرانجام دیے۔ ۱۹۳۶ء میں قاہرہ میں جاں بحق ہوئے۔ آپ کی مشہور کتب میں المدخل المنير في مقدمة علم التفسير، بلوغ السول، القول الوثيق في الرد على أدعياء الطريق، عنوان البيان في علوم التبيان اہم ہیں۔ (الزرکلی، الأعلام، ۶: ۹۶۔)

۶۱۔ وہ شخص جس پر کسی کا دَین ہو۔

قسم ہے جسے حقیقی دین نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اُس کی شرائط اس دَین پر منطبق ہوتی ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک کے پاس کسی قسم کی نقدی سونے یا چاندی کی صورت میں ختم ہو گئی ہے، تو بھی کرنسی نوٹوں کی اہمیت برقرار رہے گی، قطع نظر اس کے کہ اس کی پشت پر سونا یا چاندی موجود ہے یا نہیں، کیوں کہ حکومت کی اپنی ساکھ ہوتی ہے جس کی بنیاد پر کرنسی نوٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ اس لیے عرف میں ثمنیت کے اطلاق کی بدولت اِن پر نقدین (سونے یا چاندی) کے احکام کا اطلاق ہوگا، [۶۲] اس لیے اس موقف کے تحت کرنسی نوٹ کے ذریعے سونے چاندی کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے، لیکن ادھار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایک ہی مجلس میں خریدار سونے پر قبضہ کرے اور فروخت کنندہ نوٹوں پر قبضہ کرے اور سونا بھی اُس مقدار کے برابر ہو جو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہوتا ہے، تو یہ جائز ہے۔ سال گزرنے پر زکاۃ لازم ہوگی۔ فقیر انھیں خرچ نہ بھی کرے تو بھی اُن کے ذریعے زکاۃ کی ادائی ہو جائے گی، لیکن کرنسی نوٹوں کو مسلم فیہ نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ ان کی باہمی خرید و فروخت پر بیع صرف کا اطلاق ہوتا ہے اور مجلسِ عقد میں ہی عوضین پر قبضہ ضروری ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا نظریہ: کرنسی نوٹ ثمن خلقی کا بدل اور ثمن عرفی ہیں

تیسرا نظریہ پہلے دونوں نظریات سے قدرے مختلف ہے، جس کے مطابق کرنسی نوٹ ثمن خلقی کا بدل ہیں اور ثمن عُرفی ہیں۔ مولانا عبد الحی لکھنوی ﷫ کے نزدیک یہ کرنسی نوٹ حکومتی حکم کی وجہ سے لوگوں میں ثمن عرفی بن گیا ہے۔ [۶۳] شیخ عبد الرزاق عفیفی [۶۴] بھی کرنسی نوٹ کو سونے یا چاندی کا بدل قرار دیتے ہوئے

۶۲۔ الشیخ محمد حسنین مخلوف، التبيان في حكم زكاة الأثمان (مصر: مصطفى الحلبي، ۱۹۰۸ء)، ۵۰–۵۲۔

۶۳۔ مولانا فتح محمد لکھنوی، عطر الہدایہ، (انڈیا: مطبوعہ دیوبند)، ۲۱۸–۲۲۷۔

۶۴۔ شیخ عفیفی ۷؍ دسمبر ۱۹۰۵ کو مصر کے ایک قصبہ شنشور میں نہایت صالح اور علمی خاندان میں آنکھ کھولی۔ اپنی علمی زندگی کی ابتدا حفظ قرآن مع تجوید سے کی۔ آپ زہد و ورع، صداقت و دیانت جیسے عمدہ اخلاق سے متصف تھے۔ ۱۹۳۲ء میں جامعہ الازہر سے شہادہ عالمیہ کرنے کے بعد فقہ اور اصول فقہ کے شعبے میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ۱۹۵۰ء میں ملک عبد العزیز کی دعوت پر سعودی عرف ہجرت کی اور طائف میں واقع دار التوحید میں مدرس کے طور پر خدمات فراہم کیں۔ ۱۹۶۵ء میں معہد العالی للقضاء کے مدیر بنے۔ بعد ازاں ۱۹۷۰ء کو دار الافتاء منتقل کیا گیا پھر آپ هيئة كبار العلماء کے ممبر بنے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے۔ ۱۹۹۴ء کو ریاض میں وفات پائی۔ (دیکھیے: محمد احمد سید احمد، الشيخ العلامة عبد الرزاق عفيفي: حياته العلمية وجهوده الدعوية وآثاره الحميدة (بيروت: المكتب الإسلامي ۱۹۹۸ء۔)

کہتے ہیں کہ کرنسی نوٹ کی اپنی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ صرف حکومتی اجرا سے اس کی اہمیت ہوتی ہے، بلکہ اس کی قدر وقیمت حکومتی ضمانت کی بدولت بنتی ہے۔ حکومت کرنسی نوٹ کی قوت خرید کا فیصلہ کرتی ہے اور کرنسی نوٹ کو اشیا کے ثمن، اشیا کی حقیقی قدر کے تعین کا ذریعہ، اور اُسے قابل ذخیرہ بنانے جیسی صفات سے متصف کرتی ہے۔ الغرض نتائج اور افعال کے اعتبار سے کرنسی نوٹ سونے یا چاندی جیسی معدنی دھاتوں کی طرح بن جاتے ہیں، جس کے بعد شیخ عفیفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

لما كان الأمر كذلك كانت الأوراق النقدية بدلا عما حلّت محلّه من عملات الذهب أو الفضة... فما كان منها متفرعاعن ذهب، فله حكم الذهب وما كان منها متفرعاعن فضة، فله حكم الفضة وعلى هذا تجب فيها الزكاة كأصلها، و يقدر فيها النصاب بما قدر به في أصلها، و يجري فيها ربا الفضل و النسيئة.“ [۶۵]

جب معاملہ ایسا ہی ہے تو کرنسی نوٹ سونے چاندی کی کرنسی (یعنی دینار و درہم) کا بدل ہیں۔۔۔ پس جو کرنسی نوٹ سونے کی بنیاد پر جاری ہو گا اُس پر سونے کے احکام اور جو چاندی کی بنیاد پر جاری ہو گا اُس پر چاندی کے احکام مرتب ہوں گے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے کرنسی نوٹوں پر اُن کی اصل (یعنی سونے یا چاندی) کی طرح زکاۃ واجب ہو گی، اور اِن کا نصاب زکاۃ وہی مقرر کیا جائے گا جو اِن کی اصل میں ہوتا ہے، اور کرنسی نوٹ کے تبادلے میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے احکام جاری ہوں گے۔

مصر کے فقیہ ڈاکٹر احمد مصری[۶۶] کی رائے بھی تقریباً یہی ہے کہ کرنسی نوٹ ایک خاص قسم کے کاغذ کا ٹکڑا ہے جس پر اعداد و شمار تحریر ہوتے ہیں۔ ان نوٹوں کی پشت پر عادتاً سونے کی ایک محفوظ مقدار ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر حکومت وہ نوٹ جاری کرتی ہے یا حکومت کا مجاز ادارہ جاری کرتا ہے، تاکہ لوگوں کے ہاتھ میں ایک کاغذی سکہ آجائے۔ ہر چند کہ نوٹ قرضوں کی رسیدیں ہیں، البتہ ان سے فی الفور چاندی خریدی جا سکتی ہے۔ یہ رواج میں سونے کے قائم مقام ہیں، لہٰذا اس میں سونے کی شرائط کے مطابق زکاۃ واجب ہے، جس طرح سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہے۔[۶۷] جس کا دوسرا مطلب یہ بنتا ہے کہ کرنسی نوٹ نہ تو سند یا وثیقہ ہے اور نہ ہی یہ سامان ہے اور نہ

۶۵- بہ حوالہ: متر بن یوسف الجعید، **أحكام الأوراق النقدية و التجارية في الفقه الإسلامي**، رسالة ماجستير (سعودی عرب: جامعة أم القرى، ۱۹۴۸ء)، ۱۸۱۔

۶۶- ڈاکٹر احمد مصری کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

۶۷- احمد شرباصی، **يسئلونك في الدين و الحياة** (بیروت: دار الجیل، ۱۹۸۱ء)، ۶: ۹۳۔

ہی ان میں بذاتِ خود ثمنیت پائی جاتی ہے، لیکن یہ ثمن خلقی کا بدل ضرور ہیں، لہٰذا جو احکام اصل اور مُبدل عنہ کے ہوتے ہیں، وہی احکام اُس کے قائم مقام اور بدل کے ہوتے ہیں۔ یعنی جو حکم ثمن خلقی کا ہو گا وہی حکم کرنسی نوٹ کا ہو گا۔ شیخ سعود بن سعد بن دریب کا بھی یہی موقف ہے۔[۶۸] شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع[۶۹] بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ کرنسی نوٹ کو نقدین کا بدل قرار دینا ہی صحیح ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کرنسی نوٹ ثمن ہیں جو بذاتِ خود اپنی ایک قدر کے ساتھ قائم ہیں اور ربا کی دونوں اقسام کے جاری ہونے کے سلسلے میں وہ سونے چاندی کے تابع ہیں۔ ان کو نقدین پر قیاس کیا جائے گا اور انھیں ربا کے ضمن میں ثمنیت کے اعتبار سے دیکھا جائے گا، نیز ان پر زکاۃ بھی واجب ہو گی۔[۷۰] بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس موقف کے تحت بھی کرنسی نوٹ کو مسلم فیہ نہیں بنایا جا سکتا، البتہ سلم اور شرکت کے عقود میں راس المال بنایا جا سکتا ہے۔

کرنسی نوٹ کے متعلق یہ نظریہ دراصل مقاصدِ شریعت کے پیش نظر اپنایا گیا ہے، کیوں کہ شریعت میں الفاظ کے بجائے مقاصد و معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے، لہٰذا اس جگہ صرف کاغذی نوٹ کے الفاظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے بنیادی مقاصد اور معانی کو دیکھا جائے گا، جس کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کاغذی نوٹ اور سونے یا چاندی کے سکے کے مقاصد ایک ہی ہیں، اس لیے دونوں پر ایک جیسے احکام کا اطلاق ہو گا۔ اس نظریے کے تحت کرنسی نوٹوں پر زکاۃ بھی واجب ہو گی، نیز ان کی ادائی سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ کرنسی نوٹوں کے لین دین میں ربا النسیئہ، ربا الفضل اور بیع صرف کے احکام کا اطلاق ہو گا۔ اسی طرح کرنسی نوٹوں کے ذریعے سونے چاندی کی

۶۸- شیخ سعود بن سعد بن دریب، **المعاملات المصرفية و موقف الشريعة الإسلامية منها** (ریاض: مطابع نجد التجارية)، ۴۷۔

۶۹- شیخ منیع ۱۹۳۰ء میں سعودی عرب میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں جامعہ امام محمد بن سعود سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی جامعہ میں مفتی محمد بن ابراہیم کے ماتحت شعبہ افتا اور قضا میں کام کیا۔ ۱۹۷۱ء میں هيئة كبار العلماء کے ممبر بنے۔ ۱۹۷۵ء میں شیخ عبدالعزیز بن باز کے شرعی، قانونی اور اقتصادی معاملات میں نائب بنے۔ آپ کی کتب میں **الورق النقدي: حقيقته وتاريخه وحكمه، أحاديثي في الإذاعة، مجموع بحوث وفتاوى، بحوث في الاقتصاد الإسلامي** زیادہ مشہور ہیں۔ (عبد اللہ بن سلیمان المنیع، **بحوث في الاقتصاد الإسلامي** (بیروت: المكتب الإسلامي، ۱۴۱۶ھ)، ۵-۷۔)

۷۰- المنیع، **الورق النقدي**: ۸۰۔

خرید وفروخت ہو سکے گی، لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہو گا کہ کرنسی نوٹ کی پشت پر جتنا سونا ہے اُس کے بدلے اُتنا ہی سونا دیا جائے گا۔ فروخت کنندہ کا کرنسی نوٹوں پر قبضہ کرنا سونے چاندی پر قبضہ کرنے کے مترادف ہو گا، چاہے اُس نوٹ کی پُشت پر بینک کے پاس سونا یا چاندی حقیقی طور پر موجود ہو یا نہ ہو۔ کرنسی نوٹوں کی خرید وفروخت پر بیع صرف کا اطلاق ہونے کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کو مسلم فیہ نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ ان کی بیع میں مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ لازمی ہو گا۔ جب کہ سلم میں ایک عوض ادھار کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ کرنسی نوٹ عقد سلم میں راس المال بن سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ثمن ہیں۔

۴۔ چوتھا نظریہ: کرنسی نوٹ عروضِ تجارت ہیں

چوتھا نظریہ نامور مالکی فقیہ محمد علیش[۷۱] کا ہے کہ کرنسی نوٹ عروضِ تجارت ہیں۔ کرنسی نوٹ قیمت بننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا، نیز کرنسی نوٹ کی ثمنیت نہ تو خلقی ہے اور نہ ہی اصطلاحی، جیسا کہ علامہ محمد امین شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ومن أفتى بأنها كعروض التجارة، العالم المشهور عليش المصري... وتبعه في فتواه بذلك كثير من متأخري علماء المالكية"[۷۲] (علیش مصری ان علما میں سے ہیں جنھوں نے کرنسی نوٹوں کے سامان تجارت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔۔۔ اور اکثر متاخرین مالکی علمانے بھی اُن کے اس فتوے کی تائید کی ہے۔)

اس نظریے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عروضِ تجارت کی طرح کرنسی نوٹوں پر اُس وقت زکاۃ واجب ہو گی، جب اُن سے تجارت کرنا مقصود ہو گا ورنہ نہیں۔ کرنسی نوٹوں کے باہم لین دین پر احکام ربا کا اطلاق نہیں ہو گا۔ یعنی ایک سو روپے کے بدلے ایک سو بیس روپے یا زیادہ لیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح کرنسی نوٹوں کے ذریعے سونا اور

۷۱۔ محمد علیش رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۰۲ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر میں تعلیم حاصل کی۔ آپ فقیہ، متکلم، نحوی، صرفی اور منطق عالم تھے۔ مالکی علما سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کی مشہور تصانیف میں شرح مختصر خليل، حاشية على شرح شيخ الإسلام على إيساغوجي في المنطق، هداية السالك إلى اقرب المسالك في فروع الفقه المالكي، تذكرة المنتهي في فرائض المذاهب الأربعة شامل ہیں۔ ۱۸۸۲ء کو قاہرہ میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ (کحالہ، معجم المؤلفين،۹: ۱۲)

۷۲۔ الشنقيطي، أضواء البيان، ۱: ۱۸۲۔

چاندی بھی خریدا جاسکتا ہے۔ یہ بیع سلم میں راس المال بننے کی اہلیت نہیں رکھتے، کیوں کہ راس المال کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثمن بھی بن سکتا ہو۔ البتہ کرنسی نوٹ مسلم فیہ بن سکتے ہیں۔ بہ شرطے کہ راس المال کے طور پر کچھ ایسی چیز دی جائے جو ثمن ہو یا ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

کرنسی نوٹ کی حیثیت سے متعلق نظریات کی تحلیل

کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق مندرجہ بالا نظریات اپنے اپنے وقت، ملک، حالات، تعامل اور عرف کے تناظر میں کسی حد تک ٹھیک تھے، جنھیں یک سر غلط قرار دینا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ کرنسی نوٹ ابتدا میں سند اور وثیقہ رہا ہے۔ اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ یہ سونے کا بدل بھی رہا ہے، لیکن یہ نظریات موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں قابل عمل نہیں ہیں، البتہ یہ حسن ظن ضرور رکھا جاسکتا ہے کہ اگر یہ فقہا آج کا زمانہ پا لیتے تو قوی امکان تھا کہ وہ اپنے نظریات سے رجوع کرتے اور موجودہ تعامل، عرف کی بنیاد پر اپنا نیا موقف پیش کرتے، جیسا کہ انھوں نے اپنے وقت کے تعامل اور عرف کی بنا پر یہ نظریات پیش کیے تھے، تاہم اس جگہ اُن اہم نکات کو بیان کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ جن کی وجہ سے یہ نظریات فی زمانہ قابل عمل نہیں ہیں۔

کرنسی نوٹوں کو اب فلوس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے (جس کی تفصیل آگے مذکور ہے)۔ اگر آج فلوس پر قیاس کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا یہ موقف اپنایا جائے کہ فریقین کرنسی نوٹ کی ثمنیت کو باطل کرسکتے ہیں اور ایک خاص مالیت کے کرنسی نوٹ کو اُس سے زیادہ مالیت کے کرنسی نوٹوں کے بدلے فروخت کیا جاسکتا ہے، تو فی زمانہ سود کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جسے بند کرنا ممکن نہ ہوگا۔ دوسرا یہ کہ کرنسی نوٹ میں ثمن اصطلاحی کا اعتبار کرتے ہوئے ربا النسیئہ کے احکام کا اطلاق کرنا اور عروض کا اعتبار کرتے ہوئے ربا الفضل کا اعتبار کرنا عقل سے بعید ہے، کیوں کہ یہ دونوں حیثیتیں ثمن اصطلاحی اور عروض دو مختلف احکام کی متقاضی ہیں، لہٰذا ایک وقت دونوں صفات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ جب دو مختلف حیثیتیں سامنے ہوں تو اُس وقت قاعدہ یہی ہوتا ہے کہ احکام میں چیز کو اُس کی اصل کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ ابن منیع اس بارے میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود بچے کی نسبت صاحبِ فراش کی طرف کی اور زانی کے لیے کچھ نہیں کا حکم فرمایا۔[۷۳] لہٰذا یہاں بھی ثمن اصطلاحی ہونے میں کرنسی نوٹوں کی اصل سونا یا چاندی ہی ہیں تو احکام میں بھی انھی کا اعتبار ہونا چاہیے نہ کہ عروض کا۔ اس طرح سود کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔

۷۳- محمد بن اسماعیل، **الصحيح البخاري**، كتاب البيوع (بيروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، ۳: ۵۴، حدیث ۲۰۵۳۔

اسی طرح کرنسی نوٹوں کو دین کی سند یا وثیقہ قرار دینے میں بھی مسائل ہیں، کیوں کہ اگر یہ موقف اپنایا جائے تو پھر کرنسی نوٹوں کے ذریعے نہ تو شراکت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی بیع سلم۔ کیوں کہ اس موقف کے مطابق کرنسی نوٹ دَین کی رسید ہونے کی وجہ نقدی سرمایہ نہیں بن سکتے، جب کہ ان دونوں عقود میں سرمائے کا نقد ہونا اور موجود ہونا ضروری ہے۔ شراکت میں سرمائے سے متعلق احناف[۷۴] اور حنابلہ[۷۵] کی یہی رائے ہے۔ البتہ مالکیہ جنس کی شکل میں بھی جائز قرار دیتے ہیں، لیکن مجلس میں ہی سرمائے کی موجودگی کو شراکت کی صحت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔[۷۶] اسی طرح شوافع بھی مجلس عقد میں سرمائے کی موجودگی کو لازم قرار دیتے ہیں۔[۷۷] اسی طرح کرنسی نوٹوں کے دین کی سند ہونے کی یہ رائے اختیار کر کے کسی کے نزدیک بھی ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ بھی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ سونے کے بدلے سونے کی اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ بیع ہو گی، جو شرعاً درست نہیں ہو گی۔ لہٰذا یہ موقف اپنانے سے بہت بڑی مشقت پیش آئے گی اور کاروباری نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ کرنسی نوٹوں کو سونے یا چاندی کا بدل قرار دینا بھی اس لحاظ سے غلط ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں کوئی نہ کوئی تعلق قائم رہتا ہے۔ لیکن فی زمانہ کرنسی نوٹ کا سونے یا چاندی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اسی طرح کرنسی نوٹوں کو صرف عروض قرار دینا بھی سود کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ غالباً یہی ایسا موقف ہے جو ماضی کی تمام آرا کے مقابلے میں بہت ہی کم زور ہے۔

عصر حاضر میں کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت

عصرِ حاضر کے فقہا کی کرنسی نوٹ سے متعلق دو آرا ہیں، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ پہلی رائے: کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ثمنِ اصطلاحی ہیں، لیکن عروض نہیں

آج کے دور میں کرنسی نوٹ کسی دَین کی سند ہے اور نہ ہی وثیقہ کہ جس کی بنیاد پر کرنسی نوٹ کو حوالہ کہا جا سکے، لیکن کرنسی نوٹ سے متعلق جو اولین رائے تھی، وہ کسی حد تک زیادہ قرین قیاس ہے، یعنی کرنسی نوٹ فلوس

۷۴۔ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، (بیروت: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۹۶ء)، ۶: ۶۰۔

۷۵۔ ابن قدامہ حنبلی، المغني، (قاہرہ: مکتبة القاهرة، ۱۹۶۸ء)، ۵: ۱۳۔

۷۶۔ محمد بن عبد اللہ الخرشي المالکی، شرح مختصر خليل (بيروت، دار الفكر)، ۶: ۴۲۔

۷۷۔ ابن قدامہ، مصدرِ سابق، ۵: ۱۹۔

(دھاتی سکوں) کی طرح ہیں۔ اگرچہ موجودہ زمانے میں فلوس تقریباً نادر ہو چکے ہیں، لیکن معاشرہ کرنسی نوٹوں ہی سے اپنے سارے معاملات سر انجام دے رہا ہے، جیسے کسی زمانے میں دھاتی سکوں کے ذریعے معاملات تکمیل پاتے تھے۔ نیز اگر کرنسی نوٹ کے اجرا کے بنیادی مقصد کو بھی دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انھیں ثمنیت کی غرض سے ہی جاری کیا گیا ہے، جس کی ضمانت اولی الامر یعنی حکومت وقت دیتی ہے، جس کی بدولت کرنسی نوٹ کی قبولیت اس طرح عام ہے کہ اس کا انکار ممکن ہی نہیں، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فریقین اس کی ثمنیت کو باطل کر سکتے ہیں، لہٰذا اب کرنسی نوٹ بذات خود ایک زر بن چکا ہے، اگرچہ زر اعتباری ہے، لیکن اب اس کی پشت پر سونا نہیں ہے، لہٰذا کرنسی نوٹوں کی مالیت اگر اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ جس سے ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی خریدی جاسکے اور اُس پر سال بھی گزر چکا ہو تو زکاۃ واجب ہو گی۔ نوٹوں کی صورت میں زکاۃ ادا کرنے سے زکاۃ ادا بھی ہو جائے گی خواہ فقیر زکاۃ کی اُس رقم کو خرچ کرے یا نہ کرے، لیکن اس کے باوجود کرنسی نوٹوں کی خرید و فروخت بیع صرف نہیں کہلائے گی، کیوں کہ یہ ثمن خلقی نہیں ہیں، لہٰذا کرنسی نوٹوں کے باہمی لین دین میں اگر مجلس میں ایک طرف سے قبضہ ہو جاتا ہے تو یہ معاملہ درست ہو گا۔

عصر حاضر کے فقہا میں سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی[۷۸] اور مولانا مفتی غلام رسول سعیدی[۷۹] کا یہی موقف ہے۔ کرنسی نوٹوں کی خرید و فروخت میں ربا الفضل سے متعلق یہ فقہا شیخینؒ کے موقف کی بجائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اپناتے ہیں۔ جس کے تحت فلوس میں تبادلہ برابری کی بنیاد پر ہو گا، کیوں کہ اگر شیخینؒ کا موقف اپناتے ہوئے کمی و بیشی کے ساتھ کرنسی نوٹوں کے تبادلے کی اجازت دی جائے تو سود کا دروازہ چوپٹ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس ثمن اصطلاحی ہیں فریقین جب بھی چاہیں اُن کی ثمنیت کو ختم کر سکتے ہیں۔ جس کے بعد وہ فلوس ثمن کی بجائے سامان بن جاتے ہیں، جن کو اُن پر لکھی گئی قیمت (Face value) سے زیادہ پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، اس لیے جب ایک فلس (قیمت) کے بدلے دو فلوس (مبیع) کا معاملہ کیا جاتا ہے تو دو فلوس کی ثمنیت مبیع بننے کی وجہ سے خود بخود باطل ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معاملہ اس لیے ناجائز ہے کہ اُن کے نزدیک فلوس میں ربا الفضل کی علت "ثمنیت" موجود ہے، لہٰذا معاملہ برابر برابر اور نقد و نقد ہو گا، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلوس کی ثمنیت کو باطل

---

۷۸ – محمد تقی عثمانی، بحوث في قضايا فقهية معاصرة (قطر)، ۱: ۱۴۲–۱۹۲۔

۷۹ – غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۲ء)، ۴: ۳۵۲–۳۷۰۔

کرنے کا اختیار فریقین کے پاس نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ معاملہ افراد پر چھوڑا جا سکتا ہے، بلکہ یہ ریاست کا کام ہے۔ اس لیے ایک فلس کے بدلے دو فلوس کی بیع ناجائز ہے، تاہم اس معاملے میں ادھار کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ اُن کے نزدیک یہ بیع صرف نہیں ہے کہ مجلس میں ہی عوضین پر قبضے کی شرط لگائی جائے، اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فلوس میں بیع سلم کیا جا سکتا ہے، یعنی انہیں مسلم فیہ بنایا جا سکتا ہے، الغرض شیخینؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فلوس کی بیع سلم میں متفق ہیں۔[۸۰]

۲- دوسری رائے: کرنسی نوٹ "مستقل بالذات نقد" ہیں

یہ موقف پاکستان سے جسٹس خلیل الرحمن،[۸۱] ڈاکٹر محمد طاہر منصوری،[۸۲] مولانا گوہر رحمٰن اور علمائے عرب میں سے شیخ الازہر امام ابوزہرہ، عبد الوہاب خلاف،[۸۳] شیخ احمد عبد الرحمن البنا الساعاتی،[۸۴] شیخ خباز،[۸۵] شیخ معصومی خجندی،[۸۶] شیخ عبد العزیز النجدی[۸۷] کا ہے۔ اِن کا موقف یہ ہے کہ کرنسی نوٹ سونے چاندی کی طرح "بذات خود نقدی" بن چکی ہے، جس پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو کہ سونے چاندی پر ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی خرید و فروخت بیع صرف ہے، جس میں معاملہ نقد و نقد ہو گا، نیز ربا الفضل کے احکام بھی لاگو

---

۸۰ – ابن الہمام، **فتح القدیر**، ۷: ۷۵۔

۸۱ – محمد ایوب، **اسلامی مالیات** (اسلام آباد: رفاہ سینٹر آف اسلامک بزنس، ۲۰۱۰ء)، ۳۲۹۔

۸۲– محمد طاہر منصوری، " قرضوں کی اشاریہ بندی: شرعی نقطہ نظر "، **فکر و نظر**، اسلام آباد، (۱۹۹۵ء)، ۳۳، ۲: ۷۹–۵۱۔

۸۳ – ابو بکر متولی، **اقتصاديات النقود في إطار الفكر الإسلامي** (قاہرہ: دار التوفيق النموذجية)، ۴۷–۴۸۔

۸۴– احمد عبد الرحمن البناء الساعاتی، **الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام احمد بن حنبل**، كتاب البيوع والكسب (قاہرہ: دار الحديث)، ۲: ۲۳۱۳، رقم: ۵۹۶۳۔

۸۵– محمد نبہان الخباز، **منحة الأخلاق في بيان تحريم الربا و وجوب الزكاة في الأوراق** (ذخائر المكتبة الإسلاميه)، ۲۴۔

۸۶– معصومی الخجندی، **حبل الشرع المتين و عروة الدين المتين** (مكتبة السلفية)، ۱۸۴۔

۸۷– عبد العزیز راشد النجدی، **تيسير الوحيين بالاقتصار على القرآن مع الصحيحين** (دار نشر الثقافة الإسكندرية، ۱۹۷۶ء)، ۳۹۴۔

ہوں گے بایں طور کہ اگر ایک ہی ملک کی کرنسیاں ہیں تو ربا کی دونوں علتیں ہم جنس اور قدر (وزن)[۸۸] موجود ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ اُن کی مالیت میں برابری کی بنیاد پر ہو گا اور ہاتھوں ہاتھ ہو گا یعنی ایک روپے کے بدلے ایک روپیہ نقد و نقد۔ اور اگر دونوں مختلف ملکوں کی کرنسیاں ہیں تو مختلف جنسیں ہوں گیں۔ لیکن ایک علتِ ربا قدر (وزن) موجود ہونے کی وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہو گا۔ لیکن ہاتھوں ہاتھ ہو گا اور ادھار کرنا جائز نہیں ہو گا۔ یعنی ایک ڈالر کے بدلے ایک سو روپے نقد و نقد۔

جسٹس خلیل الرحمن کی رائے بھی یہی ہے کہ ماضی میں فلوس آزاد کرنسی کی مانند نہیں تھے، بلکہ وہ درہم کے تابع تھے۔ درہم کو چھوٹی اکائیوں میں توڑنا ایک مشکل کام تھا، اس لیے ضرورت کے پیش نظر تانبے کے فلوس ڈھالے گئے، اس لیے فلوس کے احکام کرنسی نوٹ پر لاگو نہیں ہوں گے، کیوں کہ کرنسی نوٹ اب کسی کے تابع نہیں ہیں، بلکہ بذات خود ایک نقدی زر ہیں، جو قدرتی زر کی طرح بن چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے تبادلے، خرید و فروخت اور لین دین میں اُن تمام شرعی احکام کا اطلاق ہو گا، جو قرآن و سنت میں سونے اور چاندی کے ہیں۔[۸۹] ڈاکٹر محمد طاہر منصوری لکھتے ہیں: "کاغذی نوٹ علماء امت کے متعدد فیصلوں کی رو سے درہم و دینار کی مانند ہیں، لہٰذا انھیں اگر کسی کرنسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے تو وہ درہم و دینار ہیں نہ کہ فلوس۔"[۹۰] مولانا گوہر رحمٰن بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ کاغذی کرنسی اب مستقل ثمن عرفی اور زر قانونی ہے۔ اب اس کا رابطہ سونے چاندی سے کلی طور پر کٹ چکا ہے اور اب ان کے مابین کسی قسم کا قانونی یا عرفی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔[۹۱] مجمع الفقه الإسلامي اور آئی اوفی[۹۲] کے اداروں نے بھی اسی موقف کے تحت اپنے سٹینڈرڈ مرتب کیے ہیں۔

۸۸- اس نقطۂ نظر کے فقہاعلت ربا میں کرنسی نوٹوں کو سونے یا چاندی کے ساتھ ہی ملاتے ہیں کیوں کہ ابتداً کرنسی نوٹوں کی اصلیت تو سونا چاندی ہی تھے، اگرچہ مرورِزمان کے ساتھ یہ بذات خود ایک مستقل نقدی بن چکی ہے۔ والله أعلم بالصواب۔

۸۹- محمد تقی عثمانی، **شریعت بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے عدالتی فیصلے** (کراچی: ادارہ اسلامیات ۲۰۰۰ء)، ۱۵۲۱۔

۹۰- محمد طاہر منصوری "قرضوں کی اشاریہ بندی: شرعی نقطۂ نظر"، ۲: ۷۲، ۳۳۔

۹۱- گوہر رحمٰن، **حرمت سود پر عدالتی بیانات** (مردان: مکتبہ تفہیم القرآن ۲۰۰۰ء)، ۳۴۳۔

۹۲- آئی اوفی (۲۰۱۰)، شریعہ سٹینڈرڈ، ۵-۶

اس موقف کے تحت کرنسی نوٹوں کو مسلم فیہ تو نہیں بنایا جاسکتا، تاہم عقد سلم میں راس المال بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جب کرنسی نوٹوں کی مالیت سونے یا چاندی کے نصابِ زکاۃ کو پہنچے اور اُن پر سال بھی گزر چکا ہو، تو اُن پر زکاۃ واجب ہو گی، اور کرنسی نوٹوں کی ادائی سے زکاۃ ادا بھی ہو جائے گی، خواہ فقیر اُنھیں خرچ کرے یا نہ کرے۔

کرنسی نوٹ سے متعلق عصر حاضر کی آرا کا جائزہ

عصر حاضر کے فقہا کی پہلی رائے کے مطابق کرنسی نوٹوں کے عُرفی ثمن ہونے کی وجہ سے اِن کی باہمی خرید و فروخت بیع صرف نہیں ہے، جس کی بدولت مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کے باہمی تبادلے میں "تقابض علی العوضين في المجلس." (مجلس میں عوضین بیع اور ثمن پر قبضہ) شرط نہیں ہے۔ فلوس پر قیاس کرتے ہوئے اِن میں بیع سلم بھی جائز ہے، حالاں کہ سونے چاندی کے باہم تبادلے میں نقد و نقد کی شرط اس لیے لگائی گئی تھی کہ بعد میں قیمتوں کے فطری اتار چڑھاو کی وجہ سے فریقین میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔ اور اگر باہمی رضامندی ہو بھی جائے تو یہ ربا النسیئۃ کا موجب بنے گا۔ جس کی حرمت قطعی ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔ اسی لیے ربا الفضل کو سد ذرائع کے طور پر حرام کیا گیا، کیوں کہ وہ ربا النسیئۃ کا موجب بن رہا تھا اور اِسی بنا پر اِس امکان کو بھی رد کر دیا کہ فریقین سونے چاندی کے باہمی لین دین میں کسی ایک عوض کی مخصوص مقدار کے ادھار کرنے پر باہم رضامند ہوں۔ اگر نقدین میں ایک عوض کو ادھار کرلینا مناسب ہوتا، تو شارع ﷺ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے "تقابض علی العوضين في المجلس" کی شرط لازم نہ فرماتے۔ جب اصلی نقود کے باہمی تبادلے کے معاملے میں اس طرح کی باہمی رضامندی کی اجازت اُس وقت بھی نہیں تھی، جب کہ اخلاق، اخلاصِ عمل اور نیتوں میں کھوٹ نہیں تھا اور وہ اصحابؓ ایسے تھے کہ جن کے دلوں کی پاکیزگی پر کسی قسم کا شبہ تک نہیں ہے، تو پھر ثمن عرفی پر اِس قسم کی اجازت وہ بھی ایسے زمانے میں کیسے دی جاسکتی کہ جہاں اخلاق، کردار، اخلاصِ عمل، اور نیتوں میں فتور بکثرت ہو اور ایسے وقت میں کہ جہاں سود کی گرد ہر نتھنے میں گھس رہی ہو اور سود کے لیے مختلف حیلوں کا سہارا بھی لیا جارہا ہو۔

دوسرا یہ کہ مقاصد کی روشنی میں دیکھا جائے تو زر ہونے میں کرنسی نوٹ کے افعال بھی وہی ہیں جو کہ درہم و دینار کے ہوا کرتے تھے۔ اسی بنا پر اِنھیں زر اعتباری یا عرفی ثمن کہا گیا، اس لیے آج کرنسی نوٹ کا موازنہ فلوس کی بجائے دراہم و دینار سے کرنا ہو گا، اور موجودہ عرف کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کرنسی نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت کو شرعی ضابطے "الأمور بمقاصدها" کی روشنی میں دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کرنسی نوٹ کو کسی طور بھی اب فلوس پر قیاس کرنا مناسب نظر نہیں آتا۔

عصرِ حاضر کے فقہا کی دوسری رائے جو نتائج کے اعتبار سے کرنسی نوٹ کے اِبدائی نظریے کی طرح ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس نظریے کے تحت کرنسی نوٹوں کا سونے چاندی کے ساتھ اب کسی قسم کا تعلق باقی نہیں ہے۔ مقاصد شریعت اور جدید معاشی اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو کرنسی نوٹوں کی تمام آرا میں سے یہی رائے زیادہ قرین قیاس اور فہم کے قریب لگتی ہے کہ فی زمانہ کرنسی نوٹ بذات خود ایک مستقل نقدی بن چکا ہے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر مقاصدِ شریعت ہی وہ واحد حل ہے کہ جس کی طرف اب فقہا کو توجہ دینا ہو گی۔ کرنسی نوٹوں کی فقہی حیثیت کو بھی اب اسی پیرائے میں دیکھنا ہو گا تاکہ سود کی موجودہ اور ممکنہ ترویج کا سدباب ہو سکے، کیوں کہ لوگ اپنی ضرورت و حاجات کی اشیا کی خرید و فروخت اور اپنے دیگر معاملات اسی کے ذریعے مکمل کرتے ہیں۔ اگر کرنسی نوٹوں کو مستقل نقدی قرار نہ دیا جائے تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور یہ رائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اُس رائے سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے جو انھوں نے فلوس سے متعلق ثمنیت کا موقف اختیار کرتے ہوئے دی۔ جس کی تفصیل آگے کرنسی سلم کی بحث میں موجود ہے۔

کرنسی سلم کی فقہی حیثیت: جواز و عدم جواز

کرنسی سلم سے مراد یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کو مسلم فیہ بنایا جائے اور ثمن میں بھی کرنسی نوٹ ہی ادا کیے جائیں۔ کچھ اسلامی بینک اس وقت بین الاقوامی تجارت میں کرنسی سلم کی سہولت فراہم کر رہے ہیں۔ اُن کے شریعہ ایڈوائزرز کا موقف یہ ہے کہ کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ہیں، جن میں شیخینؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلم جائز ہے، اس لیے کرنسی نوٹوں میں بھی سلم جائز ہے۔ کرنسی نوٹ کے بدلے میں کرنسی نوٹ کی خرید و فروخت

کے بارے میں شیخینؒ کی فلوس کے متعلق رائے کا سہارا لیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ کرنسی نوٹ ثمن خلقی نہیں، بلکہ عرفی ہے، اس لیے ان کا تبادلہ بیع صَرف نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں ایک ہی مجلس میں عوضین پر قبضے کی شرط نہیں ہو گی، بلکہ کسی ایک عوض پر قبضہ کرنا ہی کافی ہو گا اور ساتھ ہی امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی درہم کے بدلے فلوس کی بیع سے متعلق یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی دراہم دے کر فلوس خریدے اور خریدار دراہم بھی ادا کر دے، لیکن بائع کے پاس فلوس نہ ہوں تو یہ بیع جائز ہے، لہٰذا وہ اسے بیع مؤجل (۹۳) قرار دیتے ہیں جو کہ اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے، جس کے بعد وہ اسے بیع سلم میں بھی داخل کرتے ہیں اور شیخینؒ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کا سہارا لیتے ہیں کہ جن کے تحت فلوس میں سلم جائز ہے۔ (۹۴) یہ ہے وہ موقف جس کی بنا پر آج کچھ اسلامی بینک اپنے شریعہ ایڈوائزر کی اجازت سے کرنسی سلم کر رہے ہیں۔

کرنسی سلم کے جواز کی ساری عمارت صرف اسی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہے کہ کرنسی نوٹ چوں کہ فلوس کی طرح ہیں جن پر شیخینؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلم کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ ان کی باہم خرید و فروخت بیع صرف نہیں۔ لہٰذا کسی ایک عوض پر قبضے کے ساتھ دوسرے عوض کو ادھار کیا جا سکتا ہے، حالاں کہ موجودہ زمانے میں بہت سی وجوہات کی بنا پر کرنسی نوٹ کو فلوس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق (۹۵) کے زمرے میں آتا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۹۳- بیع مؤجل سے مراد ایسی بیع ہے جس میں ثمن ایک خاص مدت (اجل) تک ادھار کیا جاتا ہے۔ (ابن النجیم، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**، (دار الكتاب الإسلامي)، ۴: ۵۔)

۹۴- تقی عثمانی، **بحوث**، ۱: ۱۹۰-۱۹۲۔

۹۵- جب دونوں معاملات نظیر شرعی میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق کہلاتا ہے۔ (محمد امین بن محمود، **تیسیر التحریر** (بیروت: دار الفکر)، ۴: ۱۵۶۔) یا دوسرے الفاظ میں مقیس (نیا معاملہ یعنی فرع) و مقیس علیہ (پرانا معاملہ یعنی اصل) کے درمیان علت مشترکہ نہ ہو تو اسے قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کو فلوس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے

شیخ مصطفی زرقا[۹۶] کرنسی نوٹوں کو فلوس کے مشابہہ قرار دینے کے باوجود اُن پر فلوس کے احکام مرتب نہیں کرتے۔[۹۷] تقی الدین احمد بن علی مقریزی (۸۴۵ھ) ،اپنی کتاب **شذور العقود في ذكر النقود** میں فلوس پر بحث کرتے ہونے لکھتے ہیں:"ایسے نقود صرف سونا اور چاندی ہیں جو اشیا فروخت کا ثمن اور خدمات کی قیمت بن سکتے ہیں۔۔۔ لیکن چوں کہ کچھ اشیا کی قیمت اتنی کم ہوتی ہے کہ انھیں ایک درہم یا اس کے کچھ حصے کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا، اس لیے انسان کو قدیم اور جدید دور میں سونے اور چاندی کے سوا کسی ایسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جس کے ذریعے ایسی معمولی قیمت کی اشیا خریدی جا سکیں[۹۸] یوڈووچ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: فلوس محض علامتی سکے تھے، وہ درہم و دینار کی طرح کبھی بھی قانونی زر نہیں رہے۔ اُن کی قیمت اور قبولیت ہر جگہ دوسری سے مختلف تھی۔ درہم و دینار کے برعکس ان کی ڈھلائی بہت ہی مقامی سطحوں پر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وزن و شکل اور حجم میں اُن کے مابین بہت بڑا تفاوت ہوتا تھا۔[۹۹]

۹۶- شیخ مصطفی الزرقا ۱۹۰۴ء کو ملک شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد شیخ احمد زرقا ایک فقیہہ تھے۔ اور دادا شیخ محمد زرقا بہت بڑے عالم تھے۔ یہ سارا خاندان حنفی تھا۔ بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں دمشق کا سفر کیا اور جامعہ دمشق سے دو شعبوں(علم وادب اور ریاضیات وفلسفہ) میں بی۔اے کیا۔ جامعہ فؤاد سے ڈپلومہ کیا۔ ۱۹۴۴ء میں جامعہ دمشق میں لیکچرر بنے جہاں پر قانون، حدیث اور دیگر مضامین پڑھائے۔ ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے، تاہم مختلف شعبہ جات میں خدمات فراہم کرتے رہے۔ زیادہ تر تصنیفات و تالیفات میں مگن رہے۔ ۳؍جولائی ۱۹۹۹ء کو فتاوی کی تبویب میں مصروف تھے کہ عصر کی اذان کے بعد رحلت فرما گئے۔ آپ کی مشہور کتب یہ ہیں: **الفقه الإسلامي في ثوبه الجديد، شرح القانون المدني السوري، أحكام الأوقاف، في الحديث النبوي، الاستصلاح والمصالح المرسلة في الفقه الإسلامي، الفعل الضار والضمان فيه، نظام التأمين والرأي الشرعي فيه.**(علامہ یوسف القرضاوی: http://www.feqhweb.com/vb/showthread.php?t=899)

۹۷- شیخ مصطفیٰ الزرقا، **المدخل الفقهي**(دمشق: مطبعة جامعة،۱۹۶۵ء)، ۳: ۱۴۶۔

۹۸ - تقی الدین المقریزی،**النقود الإسلامية** (شذور العقود في ذكر النقود)،(بیروت: دار الزهراء، ۱۹۸۸ء)، ۸۸-۹۳۔

99- Youdovich, Professor Ibrahim, *Partnership and and Profit in Medival Islam*, (New Jersy: Prints University Press, 1970), 52.

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری لکھتے ہیں: ”زمانہ قدیم میں فلوس اپنی بے وقعتی کے علاوہ قانونی زر ہونے کی صفت سے بھی محروم تھے۔ اُن کی پشت پر کوئی قانونی ضمانت نہیں تھی۔ اُن کی کوئی متعین قیمت بھی نہیں تھی۔" اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: ”عرف وعادت اور فقہی نصوص سے ملنے والے شواہد سے فلوس کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ یا تو اصلاً کرنسی ہی نہیں ہیں یا پھر ایک ناقص کرنسی ہیں۔ اس پس منظر میں کاغذی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ کاغذی نوٹوں کی تو ایک واضح قیمت (Face Value) ہوتی ہے، اُن کی پشت پر حکومتی ضمانت ہوتی ہے۔ وہ ملک کے ہر علاقے میں یکساں ثمن کے طور پر جاری وساری ہوتے ہیں۔"[100]

مندرجہ بالا حوالوں سے درج ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ فلوس ڈھالنے کے لیے نہ تو کوئی خاص معیار مقرر تھا اور نہ ہی وزن۔ جب کہ کرنسی نوٹ کا ایک خاص معیار مقرر ہے جس کے مطابق اُسے پرنٹ کیا جاتا ہے۔

۲۔ فلوس کو درہم کی ریزگاری (Fraction) کے طور پر متعارف کرایا گیا تھا جب کہ کرنسی نوٹ کسی نقدی کی ریزگاری کے طور پر متعارف بھی نہیں ہوئے۔

۳۔ فلوس کی پشت پر درہم ہوتا تھا جب کہ کرنسی نوٹ کی پشت پر ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ماضی میں کرنسی نوٹ کی پشت پر ایک مخصوص مقدار کا سونا ہوا کرتا تھا اور اسے گولڈ سٹینڈرڈ کہا جاتا تھا، لیکن اب وہ ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔

۴۔ فلوس کی ڈھلائی مقامی سطح پر ہوتی تھی جن کی قبولیت ملک کے تمام شہروں میں نہیں تھی بلکہ ہر شہر کے فلوس الگ الگ تھے اور وزن وشکل اور حجم میں بھی بہت امتیاز تھا، جب کہ کرنسی نوٹ مقامی سطح پر پرنٹ نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ملک کا مرکزی بینک اس کا اجرا کرتا ہے، اور اس کی ہر اکائی میں یکسانیت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا لیگل ٹینڈر ہے کہ جس کی قبولیت ملک کے تمام شہروں میں یکساں ہوتی ہے۔

۵۔ فلوس کی ڈھلائی تانبے اور نِکل کی دھاتوں سے ہوتی تھی جو کہ موزونی اشیا ہیں جب کہ کرنسی نوٹ کاغذ کے ہوتے ہیں جو کہ نہ تو موزونی ہیں اور نہ ہی کیلی۔

۶۔ اگر فلوس کی ثمنیت ختم بھی ہو جاتی تو بھی وہ قابل قدر چیز ہوتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ احناف میں سوائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شیخینؒ نے فلوس کو سامان پر قیاس کیا اور ایک فلس کے بدلے میں دو فلس کی

۱۰۰۔ محمد طاہر منصوری، ”قرضوں کی اشاریہ بندی: شرعی نقطۂ نظر“، فکرونظر، ۲: ۷۲، ۳۳۔

فروخت کو جائز گردانا، جب کہ کرنسی نوٹ اپنی ثمنیت کھو دینے کے بعد صرف ایک ایسا کاغذ کا ٹکڑا رہ جاتا ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی، ہاں البتہ پرانے زمانے کے کرنسی نوٹوں کا "نوادرات" کی حیثیت میں قابل قدر ہونا ایک اور بات ہے جو اس جگہ موضوع بحث نہیں ہے۔

کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صَرف ہے یا نہیں

کرنسی نوٹ کی بیع کو بیع صَرف اس لیے نہیں کہا جاتا کہ یہ سونا یا چاندی کی بیع نہیں ہے۔ حالاں کہ فقہا نے بیع صَرف کو ثمنیت اور نقدیت کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا کہ در مختار میں ہے: "بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية."[۱۰۱] (ثمن کی ثمن کے عوض خرید و فروخت کرنا، یعنی ایسی چیز جسے ثمنیت کے لیے بنایا گیا ہو)۔ اسی طرح صاحب ہدایہ نے بیع صرف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان." (جب عوضین میں سے ہر ایک ثمن کی جنس میں سے ہو تو ایسی بیع کو صرف کہتے ہیں) اور یہ بات واضح ہے کہ کرنسی نوٹ کو ثمن کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے، اگرچہ جمہور فقہا بیع صَرف کے لیے ثمن خلقی کی قید لگاتے ہیں، تاہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ قید نہیں لگاتے، جس کی تفصیل آگے ہے۔

جو فقہا کرنسی نوٹ کو فلوس پر قیاس کرتے ہیں، اُنھیں اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فلس کو ثمن قرار دیتے تھے اور ایک فلس کی بیع کو دو فلس کے ساتھ جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ احناف میں سے محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ،[۱۰۲] مالکی فقہاء،[۱۰۳] حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ[۱۰۴] اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ[۱۰۵] کے مطابق فلوس اثمان ہیں۔ شوافع رحمۃ اللہ علیہ فلوس کے ثمن

---

۱۰۱ – محمد امین ابن عمر ابن عابدین، **رد المحتار على الدر المختار** (بيروت: دار الفكر، ۱۹۹۲ء)، ۵: ۲۵۷۔

۱۰۲ – ستر بن یوسف الجعید، **أحكام الأوراق النقدية و التجارية في الفقه الإسلامي** (رسالة ماجستير) (سعودی عرب: جامعہ ام القریٰ، ۱۹۸۴ء)، ۳۹۔

۱۰۳ – امام مالک بن انس، **المدونة الكبرىٰ**، (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۵ھ)، ۳: ۵۔

۱۰۴ – ابن تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ**، (سعودی عرب: مطابع الرياض، ۱۳۸۳ھ)، ۲۹: ۴۷۱۔

۱۰۵ – ابن القیم، **إعلام الموقعين** (مصر: إدارة الطباعة المنيرية)، ۲: ۱۳۹۔

ہونے کی مطلق نفی نہیں کرتے، بلکہ مقید نفی کرتے ہیں۔ یعنی اُن کے نزدیک فلوس اثمانِ خلقی تو نہیں ہیں تاہم اثمان مروجہ ضرور ہیں۔[۱۰۶]

فلوس میں سلم کو جائز قرار دینے والوں کی جانب سے جواباً یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فلوس کو عدمِ تعیین کے معنی میں ثمن قرار دیتے تھے، کیوں کہ ثمن متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے، خواہ وہ ثمن خلقی ہوں یا عرفی۔[۱۰۷] امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے فلوس کو ثمن عرفی تسلیم کیا ہے کہ فلوس متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ ایک فلس کے بدلے دو فلس کی بیع کو جائز قرار نہیں دیتے تھے کہ ایک فلس کے بدلے ایک فلس ہو گا اور دوسرا فلس عوض کے بغیر سود بنے گا۔ اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فلوس کو اس معنی میں ثمن تسلیم کرتے کہ ان کے باہم تبادلے میں عوضین پر قبضہ مجلس میں ہی لازمی ہو گا اور وہ اس کو بیع صَرف قرار دیتے تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کبھی بھی فلوس میں سلم کو جائز قرار نہ دیتے کہ اس میں تقابض علی العوضین فی المجلس نہیں ہوتا، بلکہ مسلم فیہ کو مستقبل کی ایک خاص مدت تک ادھار کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور پر مشہور یہی ہے کہ اُن کی کتاب **الأصل** میں ہے کہ اُن کے نزدیک فلوس میں سلم جائز ہے، حالاں کہ یہ درست نہیں ہے، جیسا کہ علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **تحفة الفقهاء** میں یہ لکھا ہے: "یہ مسئلہ (سلم فی الفلوس) لازمی طور پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔۔۔ امام محمد کے قول پر یہ معاملہ درست نہیں ہے۔[۱۰۸] علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۶- محی الدین بن شرف النووی، **روضة الطالبين وعمدة المفتين** (بيروت: المكتب الإسلامي، ۱۹۹۱)، ۳: ۳۸۰۔

۱۰۷- جیسا کہ **کنز الدقائق** میں ہے: وَغَالِبُ الْغِشِّ لَيْسَ فِي حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَيَصِحُّ بَيْعُهَا بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلًا وَالتَّبَايُعُ وَالِاسْتِقْرَاضُ بِمَا يَرُوجُ عَدَدًا أَوْ وَزْنًا أَوْ بِهِمَا وَلَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ لِكَوْنِهَا أَثْمَانًا (کھوٹ اگر غالب ہو تو یہ دراہم و دنانیر کے حکم میں نہیں ہوں گے۔ لہٰذا ان کی ہم جنس بیع تفاضل کے ساتھ درست ہو گی۔ اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہو گا۔ البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے)۔ یعنی عدمِ تعیین میں صرف ثمنیت کا وصف ہی کافی ہے اگرچہ کھوٹ کی بدولت اب اُن کی بیع پر صَرف کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ تاہم ثمنیت موجود رہے گی۔ (ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النفسی، **کنز الدقائق**، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق** (دار الكتاب الإسلامي)، ۶: ۲۱۷۔)

۱۰۸- علاء الدین السمرقندی، **تحفة الفقهاء** (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۴ء)، ۲: ۱۱

بھی اسی کی تائید کرتے ہیں: "وَأَمَّا السَّلَمُ فِي الْفُلُوسِ عَدَدًا فَجَائِزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَجُوزُ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْفُلُوسَ أَثْمَانٌ عِنْدَهُ فَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِيهَا، كَمَا لَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِي الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ." (شیخینؒ کے نزدیک فلوس میں سلم عدداً جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فلوس اثمان ہیں، لہٰذا اُن میں سلم ناجائز ہو گا، جیسا کہ دراہم و دنانیر میں سلم جائز نہیں ہے)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فلوس کو ثمن تصور کرتے ہوئے اُن میں بیع سلم کو ناجائز قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ اُن کے نزدیک فلوس کا باہم تبادلہ بیع صَرف ہی ہے۔ لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فلوس کو ثمن اور اُن کی باہم خرید و فروخت کو بیع صرف گردانتے تھے۔ اسی لیے وہ فلوس میں دراہم و دنانیر کی طرح سلم کو جائز نہیں مانتے تھے۔ اس کی تائید علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیے سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں وہ ایک فلس کے بدلے دو فلس کی بیع کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "فَصَارَ عِنْدَهُ كَبَيْعِ دِرْهَمٍ بِدِرْهَمَيْنِ" (لہٰذا یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے ہی ہے، جیسے ایک درہم کو دو دراہم کے عوض فروخت کرنا)۔[۱۰۹] مالکی فقہا کے نزدیک بھی بیع صَرف کے لیے اثمان کا خلقی ہونا لازمی نہیں ہے، اس لیے وہ بھی فلوس کی بیع کو بیع صرف کہتے ہیں، جیسا کہ **المدونة الكبرىٰ** میں ہے: "شُيُوخُنَا كُلُّهُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْرَهُونَ صَرْفَ الْفُلُوسِ بِالدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ إِلَّا يَدًا بِيَدٍ." (ہمارے سارے مشائخ فلوس کی دراہم و دنانیر کے ساتھ بیع صرف کو ناپسند قرار دیتے تھے، مگر یہ کہ یہ معاملہ نقد و نقد بنیادوں پر ہو)۔[۱۱۰] عصر حاضر کے اسکالر ڈاکٹر محمد توفیق رمضان البوطی[۱۱۱] لکھتے ہیں: "چوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مواقع پر فلوس کو سامان بھی قرار دیا ہے، اس لیے

۱۰۹۔ ابن عابدین، رد المحتار، ۵: ۱۷۵۔

۱۱۰۔ امام مالک، المدونة الكبرىٰ، ۳: ۶۔

۱۱۱۔ ڈاکٹر محمد توفیق رمضان البوطی دمشق میں ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے اور دمشق یونیورسٹی کے كلية الشريعة اور پھر كلية العربية سے فراغت حاصل کی۔ کچھ عرصہ ثانوی مدارس میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے بعد ۱۹۹۳ء میں كلية الإمام الأوزاعي بیروت سے ایم۔ اے کیا۔ پھر كلية الشريعة دمشق سے فقہ میں ڈپلومہ حاصل کیا اور ۱۹۹۸ء میں دمشق یونیورسٹی سے فقہ اور اصول فقہ میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد اسی یونیورسٹی کے تدریسی شعبے سے منسلک ہو گئے۔ انھوں نے مختلف مسلم اور غیر مسلم ممالک میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں تحقیقی مقالے بھی پیش کیے۔ دمشق جیسے

یوں معلوم ہوتا ہے کے انھوں نے فلوس رائج اور متداول ہونے کی صورت میں انھیں نقود قرار دے کر سونے چاندی کے ساتھ ان کی ادھار خرید وفروخت کو جو ممنوع قرار دیا ہے یہ صرف سد ذریعہ کے طور پر تھا۔"(۱۱۲) ڈاکٹر محمد توفیق رمضان البوطی آگے بیع صرف اور فلوس کی بحث میں لکھتے ہیں:"میری رائے میں ایسی صورت حال میں جب کہ فلوس ہی معروف نقود کی حثیت اختیار کر چکے ہوں اور رواج میں سونے چاندی کے مشابہ ہو چکے ہوں۔ بلکہ مقریزی کے بہ قول چاندی کے غائب ہونے کے بعد اس کی جگہ لے چکے ہوں، تو ان پر نقدین کے احکام جاری نہ کرنا شریعت کی دو مندرجہ اہم ترین احکام کو معطل کرنے کے مترادف ہو گا۔۔۔زکاۃ کی ادائی۔۔۔سود کی حرمت۔۔۔ بلکہ بعض اوقات تو نقدی ہونے کی حیثیت سے فلوس کا استعمال سونے چاندی سے بھی بڑھ جاتا ہے۔"(۱۱۳) اس بارے میں سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بینچ نے یہ فیصلہ کیا ہے"سونے چاندی کے قدیم سکوں کی طرح دورِ حاضر کا زرِ کاغذی تبادلے کی سہولت اور لین دین کے لیے عملی طور پر تقریباً فطری زر جیسا بن چکا ہے۔ چناں چہ یہ قرآن وسنت کے انہی احکام کے ماتحت ہو گا جو سونے چاندی کے سودوں یا تبادلے کے بارے میں ہیں۔"(۱۱۴)

چوں کہ کرنسی نوٹ اثمان ہیں اور فلوس کی بہ نسبت سونے چاندی کی مانند مستقل نقدی ہیں۔ اس لیے ان کے باہم تبادلے پر بیع الثمن بالثمن کے تحت بیع صرف کے احکام کا اطلاق لازمی طور پر ہونا چاہیے اور سود کے چور دروازوں کو بند کرنے کے لیے یہ لازمی بھی ہے، تاکہ ان کے باہم تبادلے میں عوضین پر قبضہ مجلس میں ہی لازمی ہو اور کسی ایک عوض کو بھی ادھار کرنا ناجائز ہو، نیز مسلم فیہ مؤجل ہونے کی وجہ سے کرنسی نوٹوں میں سلم بھی نہیں ہو سکے گا اور اس طرح سود کا یہ چور دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ کرنسی سلم پر بحث کرتے ہوئے **اسلامی مالیات** کے مصنف محمد ایوب لکھتے ہیں:" سلم کے ذریعے کرنسیوں کی فارورڈ خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ فلوس جو دھات سے بنائے جاتے تھے وہ اپنے دھاتی مواد کی بدولت بیچے اور خریدے جاسکتے تھے، لیکن کرنسی

زرخیز علمی شہر میں سب سے بڑے حلقۂ درس کے روح رواں ہیں۔ نہ صرف شام بلکہ مصر، اردن، لبنان اور دیگر عرب و عجم میں اپنے علم وفضل اور درجنوں کتب کی وجہ سے عقیدت اور احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔ (محمد توفیق رمضان البوطی، **خرید وفروخت کی مرجہ صورتیں اور ان کی شرعی حیثیت**، پیش لفظ، مترجم محمد اسلام (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)۔

۱۱۲۔ **البيوع الشائعة وأثر ضوابط المبيع على شرعيتها** (بيروت: دار الفكر المعاصر ،۱۹۹۸ء)،۱۰۵۔

۱۱۳۔ البوطی، نفس مرجع،۳۲۹۔۳۳۰۔

۱۱۴۔ شریعت اپیلٹ بینچ، سپریم کورٹ آف پاکستان: شریعت لاء رپورٹ، لاہور، فروری، ۲۰۰۰ء، ۲۷۳۔۲۶۹۔

نوٹ چوں کہ قانونی زر ہے جو کہ صرف ادائیگیوں کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ ان کی فی نفسہ کوئی قدر نہیں ہوتی۔ سلم کے ذریعے ہم جنس کرنسیوں کے تبادلے سے سود کے دروازے کھُل جائیں گے۔ بیع سلم میں مبیع اجناس تجارت ہوتی ہیں کرنسیاں نہیں، کیوں کہ کرنسیاں زری قدریں ہیں جن کا تبادلہ بیع الصرف کے اصولوں کے ماتحت ہی ہو سکتا ہے۔[۱۱۵]

کرنسی سلم پر اسلامی فقہ کونسل او۔ آئی۔ سی کا فیصلہ

او۔ آئی۔ سی کی اسلامی فقہ کونسل نے بھی اپنے تیسرے اجلاس میں (۱۱ تا۱۶اکتوبر ۱۹۸۶) میں یہ قرار دیا کہ زرِ کاغذی حقیقی زر کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس میں قدر کے تمام خواص ہیں اور وہ شریعت کے انھی اصولوں کے ماتحت ہے جو ربوا، زکاۃ، سلم اور دیگر سودوں کے حوالے سے سونے چاندی کے ہیں۔[۱۱۶]

کرنسی سلم پر اسلامی ترقیاتی بینک جدہ کے تحقیقاتی ادارے IRTI [۱۱۷] کی تحقیق

جب قیمت زر (سعودی ریال) کی شکل میں ہو اور فروخت کی جانے والی جنس کوئی دوسرا زر (امریکی ڈالر) ہو یہ کرنسی کا تبادلہ ہے جو سلم کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ سلم کے ذریعے مبیع کی مؤخر حوالگی ضروری ہے، جب کہ اس قسم کے لین دین کے لیے عوضین کی فوری ادائی لازمی ہے۔[۱۱۸]

کرنسی سلم پر AAOIFI [۱۱۹] کا فیصلہ

AAOIFI نے بیع سلم کے شریعہ سٹینڈرڈ میں دفعہ نمبر ۳/ ۲/ ۴ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ نقود یا سونا یا چاندی کو مسلم فیہ نہیں بنایا جا سکتا۔

کرنسی سلم پر سٹیٹ بینک آف پاکستان کا گشتی مراسلہ (Circular)

۱۱۵- محمد ایوب، اسلامی مالیات، ۳۳۰۔

116 - http://www.fiqhacademy.org.sa/qrarat/3-9.htm

117- Islamic Research and Training Institute

۱۱۸- محمد ایوب، مرجع سابق، ۳۲۹۔

119- Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutes

سٹیٹ بینک آف پاکستان نے اپریل ۳، ۲۰۱۴ کو ایک گشتی مراسلہ (Circular) جاری کیا جس میں اسلامی مالیاتی اداروں کو یہ ہدایات دی گئیں کہ "کرنسی سلم کوئی پسندیدہ معاملہ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی اسلامی بینک کرنسی سلم کا معاملہ کرتا ہے تو پھر یہ معاملہ اُس اسلامی بینک کے اپنے صارف کے ساتھ کیے گئے گذشتہ روز کے معاملات کے Weighted Average Rate کے مطابق طے ہوگا۔"[۱۲۰] اس Circular کے بعد کرنسی سلم کے معاملات ایک دن میں چھوٹی چھوٹی رقوم پر کیے گئے پھر اگلے دن انھی معاملات کے Weighted Average Rate پر کرنسی سلم کیا جانے لگا جو کہ غلط تھا۔ پھر سٹیٹ بینک آف پاکستان نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپریل ۱۴، ۲۰۱۴ کو پہلے مراسلے میں مجوزہ تبدیلیاں کر کے ایک Circular Letter جاری کیا جس میں کہا گیا کرنسی سلم کوئی پسندیدہ معاملہ نہیں ہے، تاہم اگر کوئی اسلامی بینک کرنسی سلم کا معاملہ کرتا ہے تو پھر یہ معاملہ اُسی دن کے مارکیٹ ریٹ پر ہی ہوگا بہ شرطے کہ معاملے کی رقم کم سے کم پچاس ہزار امریکی ڈالر یا اس سے زیادہ کی ہو۔ اور اُس اسلامی بینک کا شریعہ ایڈوائزر کرنسی سلم کے معاملے کو باقاعدہ جانچتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائے گا کہ اِس معاملے میں طے کیا جانے والا ایکسچینج ریٹ اُس دن کے پچاس ہزار امریکی ڈالر یا اس سے زیادہ کے کسی اور معاملے کے ایکسچینج ریٹ سے مختلف تو نہیں ہے۔[۱۲۱]

اسلامی بینکاری میں کرنسی سلم کا طریقہ کار

اسلامی بنک یہ معاہدہ صرف خاص کلائنٹ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسلامی بینکوں میں یہ پروڈکٹ ہر کسی کے لیے میسر نہیں ہے۔ اسلامی بینک بین الاقوامی تجارت میں بیع سلم کو دیگر سرمایہ کاری کے طریقوں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ بین الاقوامی تجارت میں "لیٹر آف کریڈٹ"[۱۲۲] (Letter of Credit) کے ذریعے سے درآمد کنندہ (Importer) کا بنک برآمد کنندہ (Exporter) کے بنک کو اس بات کی یقین دہانی کرواتا ہے

120 – http://www.sbp.org.pk/ibd/2014/C2.htm

121- IBD Circular Letter No. 02 of 2014 ،SBP, http://www.sbp.org.pk/ibd/2014/CL2.htm

۱۲۲– لیٹر آف کریڈٹ ایسی دستاویز ہوتی ہے جس میں درآمد کنندہ کا بینک یہ ضمانت دیتا ہے کہ اگر درآمد کنندہ کی طرف سے ادائی میں تاخیر ہوئی تو برآمد کنندہ کو وہ رقم یہ دستاویز جاری کرنے والا بینک ادا کرے گا۔ پھر یہ دستاویز برآمد کنندہ کے بینک کو بھیج دی جاتی ہے جہاں سے برآمد کنندہ یہ دستاویز وصول کرلیتا ہے۔

کہ درآمد شدہ چیز کی قیمت طے شدہ وقت پر ادا کر دی جائے گی۔ کرنسی سلم کا عقد عام طور پر درآمد کنندہ (Importer) کرتا ہے جب کہ برآمد کنندہ (Exporter) بھی یہ سہولت لے سکتا ہے۔

کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت اور متعلقہ احکام

<table dir="rtl">
<tr><th rowspan="2">فقہا</th><th colspan="2">کرنسی نوٹ کی حیثیت</th><th colspan="3">کرنسی کے باہم تبادلے کے احکام</th><th colspan="2">عمومی احکام</th></tr>
<tr><th>موقف</th><th>اختلافی رائے</th><th>ادھار</th><th>تفاضل</th><th>بیع صرف</th><th>ایجاب زکاۃ</th><th>کرنسی سلم</th></tr>
<tr><td>مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، شیخ حسن ایوب</td><td rowspan="3">کرنسی نوٹ ثمن اصطلاحی ہیں اور فلوس کی طرح ہیں، اور یہ اصلا عروض ہیں</td><td rowspan="2">عاقدین کرنسی نوٹ کی ثمنیت کو باطل کرکے عروض بناسکتے ہیں</td><td rowspan="2">√</td><td rowspan="2">√</td><td rowspan="2">X</td><td>√</td><td rowspan="2">√</td></tr>
<tr><td>شیخ احمد خطیبؒ</td><td>√[1]</td></tr>
<tr><td>شیخ عبد الرحمٰن سعدی، شیخ یحیٰ امان، شیخ محمد بن صالح</td><td rowspan="2">عاقدین کرنسی نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرسکتے، بلکہ یہ کام ریاست کا ہے</td><td rowspan="2">X</td><td rowspan="2">√</td><td rowspan="2">X</td><td rowspan="2">√</td><td rowspan="2">X</td></tr>
<tr><td>شیخ عبداللہ بن بسام</td><td>کرنسی نوٹ قروش کی طرح ہیں</td></tr>
<tr><td>مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی شفیع عثمانیؒ، علامہ محمد امین شنقیطیؒ، بعض مشائخ الازہر اور علامہ سید احمد الحسینیؒ</td><td rowspan="2">کرنسی نوٹ دین کی سند ہیں</td><td>کرنسی نوٹ مطلق دین کی سند ہیں، لہٰذا اس کا لین دین حوالہ کے قواعد کے تحت ہوگا</td><td rowspan="2">X</td><td rowspan="2">X</td><td rowspan="2">√</td><td>√[2]</td><td rowspan="2">X</td></tr>
<tr><td>شیخ محمد حسنین مخلوف</td><td>ایک خاص دین کی سند ہے جو حقیقی دین نہیں بلکہ نقدی کی طرح</td><td>√[3]</td></tr>
</table>

	ہے، نیز اس پر حوالہ کے احکام کا اطلاق نہیں ہو گا					
مولانا عبد الحی لکھنوی، مولانا فتح محمد لکھنویؒ، مولانا مفتی سعید احمد لکھنوی، ڈاکٹر حمد مصری، عبد اللہ بن سلیمان المنیع، عبد الرزاق عفیفی، شیخ سعود بن سعد	کرنسی نوٹ ثمن خلقی کا بدل اور ثمن عرفی ہیں	X	X	√	√	X
علیش مصری	کرنسی نوٹ صرف سامان تجارت ہیں	√	√	X	√[1]	√
جسٹس خلیل الرحمن، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری مولانا گوہر رحمٰن، شیخ احمد البنا الساعاتی، شیخ خباز، شیخ معصومی، شیخ عبد العزیز النجدی، شیخ محمد بن ابراہیم، مجمع الفقہ الاسلامی اور IRTI،AAOIFI	کرنسی نوٹ "مستقل بالذات نقد" ہیں	X	X	√	√	X
مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا مفتی غلام رسول سعیدی	کرنسی نوٹ فلوس کی طرح ثمن اصطلاحی ہیں، لیکن عروض نہیں، نیز عاقدین کرنسی نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرسکتے، بلکہ یہ کام ریاست کا ہے	√	X	X	√	√

۱۔ جب کرنسی نوٹوں سے تجارت کرنا مقصود ہو اور اُن پر سال بھی گزر جائے تو پھر اُن پر عروض تجارت کے احکام کے تحت زکاۃ واجب ہو گی۔

۲۔ اگر کرنسی نوٹ نصاب زکاۃ کے برابر ہوں اور اُس پر سال بھی گزر جائے اور اُس کی پشت پر موجود سونے کے پانچویں حصے پر قبضہ بھی مل جائے تو پھر زکاۃ واجب ہو گی، کیوں کہ قرض اور دین پر زکاۃ کا یہی اصول ہے، ورنہ زکاۃ واجب نہیں ہو گی، نیز فقیر جب تک زکاۃ کی مد میں دی گئی رقم کو خرچ نہ کرلے زکاۃ کی ادائی بھی نہیں ہو گی۔

۳۔ کرنسی نوٹوں پر سال گزرنے پر زکاۃ واجب ہو گی خواہ اُس کی پشت پر موجود سونا موصول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، نیز اگر فقیر نے خرچ نہ بھی کیے ہوں تو بھی اِن کے ذریعے زکاۃ ادا ہو جائے۔

اسلامی بنک اور درآمد کنندہ (Importer) کے مابین کرنسی سلم کا طریقۂ کار

۱۔ درآمد کنندہ کا بنک برآمد کنندہ کے لیے ایک لیٹر آف کریڈٹ جاری کرتا ہے جس کا مقصد برآمد کنندہ کو یہ یقین دلانا ہوتا ہے کہ یہ بنک مقررہ وقت پر مقررہ رقم مثلاً ایک ہزار ڈالر کی ادائی کا ضامن ہو گا۔

۲۔ درآمد کنندہ کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ چند ماہ بعد جب وہ قیمت ادا کرے گا تو اُس وقت ڈالر کی قیمت بڑھ چکی ہو گی، اس لیے وہ اسلامی بنک کو درخواست کرتا ہے کہ وہ آج کے موجودہ ریٹ (مثلاً ایک سو روپے کا ایک ڈالر) سے تھوڑے سے زیادہ ریٹ (جس پر دونوں راضی ہو جائیں) پر ایک ہزار ڈالر اسلامی بنک سے خریدنا چاہتا ہے۔ اسلامی بنک اُس کی درخواست قبول کرتا ہے، اور اُسے بیع سلم کے تحت ڈالر فروخت کرنے کی شرط لگاتا ہے۔

۳۔ اسلامی بنک درآمد کنندہ کے ساتھ بیع سلم کا معاہدہ کرتا ہے جس کے تحت اسلامی بنک اُس سے ایک لاکھ دس ہزار روپے نقد صورت میں لے لیتا ہے اور یہ طے پاتا ہے کہ اسلامی بنک اِس مقررہ تاریخ کو ایک ہزار ڈالر فراہم کرے گا خواہ اُس وقت ڈالر کا ریٹ کچھ بھی ہو۔ اس طرح درآمد کنندہ کا یہ خطرہ ٹل جاتا ہے کہ مستقبل میں ڈالر کی قیمت بڑھنے سے اُسے زیادہ روپے دینے پڑیں گے۔

اسلامی بنک اور برآمد کنندہ (Exporter) کے مابین کرنسی سلم کا طریقہ کار

لیٹر آف کریڈٹ[۱۲۳] ملنے کے بعد برآمد کنندہ کا بنک اُسے اطلاع دیتا ہے، چوں کہ برآمد کنندہ کو رقم وصول کرنے کی جلدی ہوتی ہے، وہ چند ماہ انتظار نہیں کرتا۔ اس لیے وہ اپنا لیٹر آف کریڈٹ روایتی بنک میں جمع

۱۲۳۔ لیٹر آف کریڈٹ ایک دستاویز ہوتی ہے جو درآمد کنندہ (مشتری) کے بینک کی طرف سے درآمد کنندہ (بائع) کو اس بات کا یقین دلانے کے لیے بھیجی جاتی ہے کہ وہ مشتری کو اپنا مال بھیج دے۔ جیسے ہی مشتری جانچ پڑتال کے بعد اس مال پر قبضہ

کراتا ہے، روایتی بنک لیٹر آف کریڈٹ کو ڈسکاؤنٹ کرکے ایک ہزار ڈالر سے کچھ کم مثلاً ۹۰۰ ڈالر دے دیتا ہے۔ چوں کہ اسلام میں ایسی ڈسکاؤنٹنگ حرام ہے، اس لیے اسلامی بنک برآمد کنندہ کو کرنسی سلم کی صورت میں درج ذیل متبادل حل دیتا ہے۔

۱۔ برآمد کنندہ اسلامی بنک کو درخواست دیتا ہے کہ اُس کے پاس لیٹر آف کریڈٹ ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اتنی مدت بعد اُسے ایک ہزار ڈالر ملیں گے، لیکن اُسے رقم ابھی چاہیے۔

۲۔ اسلامی بینک اُسے کرنسی سلم کے ذریعے رقم فراہم کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔

۳۔ درخواست کی منظوری کے بعد اسلامی بنک کی شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے برآمد کنندہ کرنسی سلم کے معاہدے پر دستخط کرتا ہے۔ اور طے یہ پاتا ہے کہ آج کے موجودہ ریٹ (مثلاً ایک سو روپے کا ایک ڈالر) کے مطابق ایک ہزار ڈالر کی قیمت ایک لاکھ روپے آج دے دے گا، اور مستقبل میں اگر تو ڈالر کا ریٹ یہی ہوا یا اس سے زیادہ ہوا تو وہ اسلامی بینک کا ہو گا، لیکن اگر ریٹ موجودہ سے کم ہوا تو برآمد کنندہ وہ کمی پوری کرے گا۔

۴۔ برآمد کنندہ اس پر راضی ہو جاتا ہے اور لیٹر آف کریڈٹ متعلقہ اسلامی بنک کی برانچ میں جمع کرواتا ہے۔

۵۔ اسلامی بنک کا تجارت کا شعبہ (Trade Department) ان دستاویزات کی جانچ پڑتال کے بعد ٹریژری سے زرمبادلہ کی شرح معلوم کرتا ہے۔

۶۔ بنک برآمد کنندہ کو ملکی کرنسی دے دیتا ہے اور سیکورٹی کے طور پر لیٹر آف کریڈٹ اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔

۷۔ ڈالر کے وصول ہونے پر بنک کا ٹریژری شعبہ بنک کی متعلقہ برانچ اور برآمد کنندہ کو ڈالرز کی وصولی کی اطلاع دیتا ہے۔ ڈالر کی وصولی کے وقت اگر ریٹ ادا کیے گئے ریٹ سے کم ہو تو برآمد کنندہ اس رقم کو اپنے پاس سے پورا کرے گا۔ جس کے لیے بنک بازار زر سے گاہک کی جانب سے بطور وکیل مطلوبہ ڈالر خریدے گا۔

کرے گا، تو اُس کا بینک بائع کو اُس کی قیمت ادا کرے گا۔ اس دستاویز پر مال کی قیمت، کرنسی کا نام، رقم ملنے کی تاریخ سب کچھ درج ہوتا ہے۔

۸۔ درآمد کنندہ کے بنک کی طرف سے رقم کی ترسیل میں تاخیر کی صورت میں اس کا ذمے دار برآمد کنندہ ہو گا اور اسلامی بنک کو مقررہ وقت پر طے شدہ غیر ملکی کرنسی پہنچانے کی ذمہ داری بھی برآمد کنندہ کی ہو گی۔

کرنسی سلم کے اس معاملے کو اگر مقاصد شریعت کی روشنی میں بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ کسی طور بھی جائز معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ ربا الفضل کی حدیث میں سونے چاندی کی باہم تبادلے میں نقد و نقد کی شرط اس لیے لگائی گئی تھی[۱۲۴] کہ بعد میں قیمتوں کے فطری اتار چڑھاو کی وجہ سے فریقین میں جھگڑا پیدا نہ ہو، اور اگر باہمی رضامندی ہو بھی جائے تو پھر بھی اس پر ربا النسیئۃ کا امکان تھا، جس کی حرمت قطعی ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ربا الفضل کو سد ذرائع کے طور پر حرام کیا گیا تھا، کیوں کہ وہ ربا النسیئۃ کا موجب بن رہا تھا، اس لیے اس معاملے میں فریقین کی باہمی رضامندی کو بھی ناجائز قرار دیا گیا، اس لیے کرنسی نوٹوں کے باہمی لین دین میں یہ رخصت دینا کہ ایک عوض پر قبضہ کر لیا جائے اور دوسرے کی مقدار متعین کر کے ادھار کر لیا جائے، مناسب معلوم نہیں ہوتا، نیز برآمد کنندہ کے ساتھ کرنسی سلم میں تو غرر کثیر بھی ہے کہ کوئی پتا نہیں مستقبل میں ڈالر کا ریٹ کیا ہو گا، اُس پر طُرفہ یہ شرط فاسد کہ اگر ریٹ کم ہوا تو جو کمی ہو گی وہ برآمد کنندہ ادا کرے گا۔

نتیجہ بحث

کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق فقہا کے نظریات اپنے اپنے زمانے، تعامل اور عرف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف رہے، تاہم ان تمام فقہا کی علمی قابلیت اور ان کی مسلمہ فقہی حیثیت اُن کی تحقیق سے آشکار ہوتی ہے، نیز تحقیق میں اُن کا اخلاص بھی جھلکتا ہے کہ اُن کا مقصد صرف اور صرف اللہ کے بندوں کو سود سے بچانے کے ساتھ ساتھ اُن کے معاشی اور اخروی مفادات کا تحفظ بھی تھا، اور بارگاہ ایزدی سے امید واثق ہے کہ یہ فقہا اپنی ان اجتہادی آرا کی بدولت ماجور ضرور ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۲۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ (امام مسلم، **صحیح مسلم**، كتاب الطلاق، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا (بيروت: دار إحيا التراث العربي)، حدیث:۱۵۸۷)

عصر حاضر میں معاشی و مالیاتی معاملات میں کہیں سودی حیلوں کا سہارا لیا جا رہا ہے، تو کہیں اُنھی سودی حیلوں کو مخارج کا نام بھی دیا جا رہا ہے، کہیں ضرورت و حاجت کے ضابطوں کو بنیاد بنا کر رخصتیں تلاش کی جا رہی ہیں تو کہیں عموم بلوی کا حوالہ دے کر من وجہ سود کے لیے راستہ بھی بنایا جا رہا ہے، حالاں کہ عموم بلوی، عرف، تعامل اور حاجت عامہ اُسی وقت موثر ہوتی ہیں جب کہ کسی واضح قرآنی و نبوی ﷺ حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ کرنسی سلم کا معاملہ تو واضح طور پر سودی دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اسلامی بینکاری ابھی اپنے ترویجی دور سے گزر رہی۔ کرنسی سلم جیسا تصور اس کی ساکھ کو بہت بری طرح متاثر کر سکتا ہے۔ اسلامی بینکاری کو درست سمت میں گامزن رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کرنسی سلم پر پابندی عائد کی جائے تا کہ سود کا چور دروازہ بند ہو جائے۔ اس لیے موزوں یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس نہ کیا جائے، کیوں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، لہٰذا اسے الگ مستقل حیثیت میں ایک نقدی تسلیم کیا جائے اور سدّ ذرائع کے تحت امام محمدؒ کا نظریہ اپناتے ہوئے صِرف کرنسی نوٹ کے باہمی تبادلے کو بیع صرف قرار دیا جائے۔ اِس طرح ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ برابر اور نقد و نقد ہو گا، جب کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ، لیکن نقد و نقد کی صورت میں جائز ہو گا، ورنہ نہیں۔ کرنسی نوٹوں کے ساتھ سونے چاندی کی خرید و فروخت بھی ممکن ہو سکے گی۔ کرنسی نوٹوں پر زکاۃ بھی واجب ہو گی اور ادائی بھی ہو گی، نیز ان کے ذریعے بیع سلم اور شرکت بھی درست ہو گی، تاہم کرنسی نوٹوں کو مسلم فیہ نہیں بنایا جا سکے گا، کیوں کہ کرنسی نوٹوں کو کرنسی نوٹوں کے بدلے میں مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔